یو آر سی کراچی سیریز

بے دخلیاں

مدیر: عقیلہ اسمٰعیل

CITY PRESS

یو آر سی کراچی سیریز

بے دخلیاں

مدیر

عقیلہ اسمٰعیل

انگریزی سے ترجمہ

محمد رضوان عالم

CITY PRESS

سٹی پریس کی پیشکش
یو آر سی کراچی سیریز-۲
بے دخلیاں
کاپی رائٹ اربن ریسورس سینٹر ۲۰۰۳ء
ISBN 969-8380-61-2

مدیر
عقیلہ اسمٰعیل
تحقیق کا انتظام اور نگرانی
محمد یونس
انٹرویوز، کیس اسٹڈیز اور فوٹو گراف
زاہد فاروق، حسن ایلیا
بین الاقوامی قوانین سے متعلق معلومات
کیتھی فرنانڈیز
رہنمائی اور تکنیکی اعانت
عارف حسن

تمام حقوق محفوظ ہیں

پہلی اشاعت: ۲۰۰۳ء

اربن ریسورس سینٹر
3/48 اسٹریٹ نمبر 2، خالد بن ولید روڈ، آف شہید ملت روڈ، کراچی 78800
فون: 4559275 (92-21) ای میل: urckhi@hinet.net.pk انٹرنیٹ: www.urckarachi.org

سٹی پریس
316 مدینہ سٹی مال، عبداللہ ہارون روڈ، صدر، کراچی 74400
فون: 5650623, 5213916 (92-21) ای میل: cp@citypress.cc انٹرنیٹ: www.citypress.cc

فہرست

ابتدائیہ	۷
۱۔ تعارف	۹
۲۔ کراچی میں زمین کی آبادکاری اور رہائشی سہولتیں	۱۳
۳۔ ۱۹۹۲ء کے بعد سے کی جانے والی بے دخلیاں	۲۵
۴۔ بے دخلیوں کی مختلف اقسام	۳۱
۵۔ کچی آبادیوں میں بے دخلیاں	۵۷
۶۔ اختتامیہ	۶۵
ضمیمے	۶۷

ابتدائیہ

یو آر سی کراچی سیریز کی دوسری کتاب ''بے دخلیاں'' برسوں سے قائم آبادیوں سے حکومت کی طرف سے لوگوں کی جبری بے دخلی کے مسئلے کے بارے میں ہے۔ بے دخلیاں تقریباً ہمیشہ لوگوں کے اپنے سرمائے سے تعمیر کردہ مکانات اور بنیادی ترقیاتی ڈھانچے کو جبری طور پر مسمار کرنے کے ذریعے عمل میں لائی جاتی ہیں۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ اکثر و بیشتر کیسوں میں یہ زمینیں حکومت کے مختلف اداروں کی مدد سے سرگرم عمل لینڈ مافیا کے ذریعے باقاعدہ خریدی ہوئی ہوتی ہیں۔ شہریوں سے اُن کے ملک کی زمین پر رہنے کے حق کو چھیننا پاکستان کے آئین کے تحت دیے جانے والے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہونے کے ساتھ اُن بے شمار بین الاقوامی معاہدوں کی بھی خلاف ورزی ہے جن پر پاکستان نے دستخط کیے ہوئے ہیں۔ اکثر اوقات متاثرین کو نہ تو اُن کے نقصان کا معاوضہ ادا کیا جاتا ہے اور نہ ہی کوئی اور معقول متبادل بندوبست کیا جاتا ہے، جو کہ بے دخلی کے قومی اور بین الاقوامی قانون کی رو سے ضروری ہے۔

موصولہ اعداد و شمار کے مطابق کراچی میں ۱۹۹۲ء سے اب تک مختلف حکومتی ایجنسیوں نے ۲۳۸،۷ گھروں اور دکانوں کو منہدم کیا ہے۔ ان میں سے بیشتر انہدامی کارروائیاں سیاستدانوں، انتظامیہ اور ڈویلپرز (آبادکاروں) کے مضبوط گٹھ جوڑ کے ذریعے، تجارتی مقاصد کے لیے اور فلک بوس عمارتوں کی تعمیر کی غرض سے زمین ہتھیانے کے لیے عمل میں آئیں۔ اس طرح کی کارروائیوں کے نتیجے میں لوگوں کی نوکریاں چھوٹ جاتی ہیں، بچے اسکولوں سے دور ہو جاتے ہیں اور تعمیر کردہ ماحول سنگ و خشت کا ڈھیر بن جاتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ان انہدامی کارروائیوں کی وجہ سے غریب شہریوں کو ۴ء۷ ارب روپے کا نقصان ہو چکا ہے۔ ایک اور اندازے کے مطابق اگر لیاری ایکسپریس وے تعمیر کیا جائے تو ۲۵،۴۰۰ مکانات منہدم ہوں گے، ۲۰۳،۲۰۰ لوگ بے دخل ہو جائیں گے اور غریب شہریوں کو ۵۳ء۱۳ ارب روپے کا نقصان ہوگا۔

کراچی کے شہریوں کی تنظیم ''اربن ریسورس سینٹر'' (یو آر سی) شہری ترقیاتی مسائل کی تحقیق اور شہریوں کے حقوق کی وکالت کرتی ہے۔ اس نے کراچی میں ۱۹۹۲ء سے لے کر اب تک ہونے والی بے دخلیوں کی دستاویز سازی کی ہے، اور ایک ایسا ماحول قائم کیا ہے جہاں بے دخلی کے متاثرین، غریبوں کے رہائشی مسائل اور سفید پوش طبقے کی پریشانیوں کے بارے میں بات کی جا سکے۔

۱۹۸۹ء میں طلبا، پیشہ ور شہری منصوبہ سازوں، فن تعمیر کے ماہروں، استادوں، غیر سرکاری تنظیموں کے نمائندوں اور بنیادی تبدیلی کی تنظیموں کے تعاون سے قائم ہونے والے ادارے یو آر سی نے کراچی کے شہری مسائل سے دلچسپی رکھنے والے مختلف گروہوں (مقامی آبادیوں، غیر سرکاری طور پر سہولتیں فراہم کرنے والوں، سرکاری ایجنسیوں، سیاسی تنظیموں اور تعلیمی اداروں) کے درمیان باہمی گفتگو اور تعلق کے عمل کا آغاز کیا۔ اجتماعات کے ذریعے فروغ پانے والے باہمی ربط ضبط نے مرکزی ذرائع ابلاغ میں، شہری مسائل اور ترقیاتی منصوبوں کے بارے میں مباحثوں اور مذاکروں کا سلسلہ شروع کر دیا ہے، اور سرکاری ادارے اور متعلقہ افراد جس طرح مسائل اور منصوبوں کا مطالعہ اور معائنہ کرتے تھے اس عمل میں حقیقی تبدیلیاں آئی ہیں۔

''بے دخلیاں'' کے متن کی بنیاد، یو آر سی کی طرف سے بے دخلی کے واقعات کے مستقل مشاہدے اور قسم بندی، اس کی وجوہات پر تحقیق و تجزیہ، خصوصی اجتماعات کے ذریعے متعلقہ افراد سے گفت و شنید، متاثرہ آبادیوں میں متاثرین کے حقوق کی تحریک، اور امدادی ایجنسیوں سے تعلقات قائم کرانے کی کوششوں

پر ہے۔ کتاب کے اختتام پر اس میں موجود حوالوں کی فہرست دی گئی ہے۔ لیاری ایکسپریس وے کے منصوبے سے متعلق بے دخلی کی تاحال جاری داستان ضمیمہ ۵ میں شامل ہے۔

عقیلہ اسمٰعیل

مئی ۲۰۰۲ء

۱

تعارف

پاکستان کا آئین حکومت پر اس بات کی ذمہ داری ڈالتا ہے کہ وہ اپنے شہریوں کو ایک آرام دہ زندگی کی تمام بنیادی سہولتیں مہیا کرے۔ ان سہولیات میں روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم اور صحت شامل ہیں۔ یہ تمام شہریوں کے لیے بلا امتیاز جنس، نسل، ذات اور زبان ہیں، بشمول ان کے جو کسی بیماری یا معذوری کی وجہ سے روزگار حاصل کرنے سے لاچار ہیں یا کسی اور وجہ سے وقتی طور پر مالی پریشانیوں کا شکار ہیں۔ شہریوں کی عزت نفس اور ایک قانونی زندگی گزارنے کے حق کی حفاظت ہونی چاہیے۔ تمام شہریوں کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ پاکستان کے کسی بھی حصے میں زمین یا جائیداد حاصل کر سکیں اور اس کی خرید و فروخت کے سلسلے میں قانون کی پابندی کرنا ان کی ذمہ داری ہے۔ کسی بھی شہری کو اس کی قانونی طور پر حاصل کردہ جائیداد سے محروم نہیں کیا جا سکتا، اور اگر ایسا ہو تو پھر اس کو مناسب معاوضہ ملنا چاہیے۔ حکومت کے متعلقہ شعبوں کو اس طرح کے معاوضے کی ادائیگی کے لیے قوانین اور ضابطے بنانے چاہئیں۔ (متعلقہ آئینی شقوں کے لیے دیکھیں ضمیمہ ا۔)

انسان کے لیے اس کا گھر صرف ایک عمارت ہونے سے کہیں زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ یہ ایک ہمہ جہت اکائی ہے جو تعلق، روایات اور عزت نفس کا احساس مہیا کرتی ہے۔ اس کے باوجود جنوبی ایشیا میں غریب طبقے کے ایک بہت بڑے حصے کو ایسی رہائشی سہولیات حاصل کرنے کا حق دینے سے انکار کر دیا جاتا ہے جو جذباتی، طبعی، معاشرتی اور سماجی جہات کا احاطہ کریں۔ دوسرے ایشیائی ممالک کی طرح پاکستان میں بھی غریبوں کے لیے سر چھپانے کی جگہ حاصل کرنے کا حق فہرست ترجیحات میں بہت نیچے ہے۔ پورے ایشیا میں حکومتیں اور نجی ادارے کم آمدنی والے طبقے کی رہائشی ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر ہیں۔ اس کے نتیجے میں غریب طبقہ بے ضابطہ آبادیوں میں رہائش اختیار کرتا ہے جو اکثر ناجائز تجاوزات کے نام سے پکاری جاتی ہیں۔ یہاں پر وہ اپنے محدود وسائل کا استعمال کرتے ہوئے مکانات تعمیر کرتے ہیں، بنیادی ترقیاتی ڈھانچے اور دیگر سہولتوں کا بندوبست کرتے ہیں، کاروبار قائم کرتے ہیں، اور ساتھ ساتھ صحت، تعلیم اور تفریح کی سہولتیں مہیا کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔

رہائشی حقوق کے لیے جدوجہد کرنے والے گروہوں کی طرف سے دباؤ، سیاسی عمل دخل اور متبادل ذرائع کی غیر موجودگی کے نتیجے میں بہت سی حکومتوں نے ایسے منصوبے اور ضابطے تیار کیے ہیں جو چند معین شرائط کے تحت ان آبادیوں کو قبول کرتے ہیں، ان کو باضابطہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں، اور ان کو بنانے کی صورت میں متبادل آبادکاری کا انتظام کرتے ہیں۔ ایشیائی شہروں میں رہائشی، تجارتی اور تفریحی غیر منقولہ جائیداد کی آبادکاری اربوں ڈالر کا کاروبار ہے جس کو ایک طاقتور سیاسی وانتظامی گٹھ جوڑ تحریک دے رہا ہے۔ اس گٹھ جوڑ کے نتیجے میں ایشیائی شہروں میں ہر سال ہزاروں مکان اور کاروبار منہدم کر دیے جاتے ہیں۔ اور ایسا اُن قومی اور بین الاقوامی معاہدوں کا مذاق اڑاتے ہوئے کیا جاتا ہے جن پر ایشیائی حکومتوں نے دستخط کیے ہیں۔ بین الاقوامی ایجنسیوں کے قرضوں کی پشت پناہی سے تیار ہونے والے عظیم الشان ترقیاتی منصوبے ہر سال لاکھوں لوگوں کو در بدر کر دیتے ہیں۔ کراچی، ممبئی اور جکارتہ جیسے شہروں میں بے دخلی کے واقعات میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔

شہری علاقوں کی ترقی ایک مشکل عمل ہے اور مختلف و متضاد اغراض میں توازن رکھنے کی کوشش کا نتیجہ اکثر کچھ لوگوں کو مایوس کرنے کی شکل میں نکلتا ہے۔ شہر اور اُس کے مکینوں کے مفادات اکثر ترقیاتی منصوبوں کے ذریعے پیسے بنانے کے چکر میں روند دیے جاتے ہیں۔ ایسا نظام جس میں حکام کی طاقت کے بے جا استعمال کی مناسب روک تھام کا بندوبست نہ ہو، اکثر اُن کو اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ لالچی اور بے ایمان آبادکاروں کے ساتھ ملی بھگت کریں، اور نتیجے کے طور پر شہریوں کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔

بے دخلیاں رہائش کی سہولت حاصل کرنے کے بنیادی انسانی حق کی خلاف ورزی کرتی ہیں۔

بیشتر حکومتی عہدے داروں اور منصوبہ سازوں نے غریب شہریوں کے بارے میں طرح طرح کی من گھڑت کہانیاں مشہور کر رکھی ہیں۔ اُن کے خیال میں یہ لوگ چور، منشیات فروش اور اسلحہ کے تاجر وغیرہ ہوتے ہیں۔ غریبوں کی بوسیدہ آبادیاں ان کی نگاہوں میں خار کی طرح کھٹکتی ہیں، اور شہروں کو صاف ستھرا اور خوبصورت بنانے کے بہانے یہ لوگ ان آبادیوں کو ہٹا دینا چاہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ غریب ہر چیز مفت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ حقیقت ان الزامات کے برعکس ہے۔ اگر یہ آبادیاں غلیظ ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں پانی کی فراہمی اور نکاس کی مناسب سہولتوں کا بندوبست نہیں ہے۔ کراچی، نوم پنھ (کمبوڈیا) اور دوسرے شہروں میں تحقیق سے یہ ثابت ہوا ہے کہ غریب لوگ اپنی زمین مکان اور دوسری سہولتوں کے لیے پوری ادائیگی کرتے ہیں۔ صرف پانی کے لیے یہ لوگ اوسط آمدنی والے طبقے سے بیس گنا زیادہ رقم ادا کرتے ہیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود غریبوں کے بارے میں بے بنیاد کہانیاں پھر بھی رائج ہیں جو حکومت کو اس بات کی ترغیب دیتی ہیں کہ وہ جبری بے دخلیوں کی حمایت کرے۔

رہائشی حقوق کا مسئلہ معمولی نہیں ہے۔ اس میں زمین، بنیادی ترقیاتی ڈھانچے کا قیام، روزگار کا بندوبست اور قرض کی دستیابی وغیرہ شامل ہیں۔ غیر قانونی آبادیوں اور ناجائز تجاوزات کا حل بے دخلی نہیں ہے۔ یہ صرف اس کے حل کو ملتوی کرتی ہے اور لوگوں کی زندگی بھر کی محنت کو برباد کر دیتی ہے۔ بے دخلیاں احساسِ شکست اور حکومت کے خلاف ناموافق جذبات کو جنم دیتی ہیں اور تشدد کی ترغیب دیتی ہیں۔ (رہائشی حقوق کے بارے میں بین الاقوامی ضابطوں کے لیے دیکھیں ضمیمہ ۳۔)

غریب لوگ اپنے گھروں کی تعمیر بتدریج کرتے ہیں اور دس پندرہ سال میں ایک مکان مکمل ہوتا ہے۔ ان گھروں کو منہدم کرنے کا مطلب کسی کی زندگی بھر کی محنت اور بچت کو برباد کرنا ہوتا ہے۔ اس نقصان کے ساتھ ساتھ لوگوں کو ایک نئی جگہ کے کرائے یا پھر تعمیرات کرنے کا خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اکثر نئی رہائش گاہ روزگار کی جگہ سے دور ہوتی ہے، جس کی وجہ سے آمد و رفت کے خرچ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ آمد و رفت کے وقت میں اضافے کی وجہ سے کام کے اوقات میں کمی ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ آمدنی میں کمی کی صورت میں نکلتا ہے اور اس کی وجہ سے پہلے سے خراب صورت حال اور زیادہ سنگین ہو جاتی ہے۔ ان نقصانات کی تلافی شاذ و نادر اور اکثر ناکافی ہوتی ہے۔ بے دخلی کے نتائج میں آمد و رفت کے خرچ میں اضافہ اور کمائی میں کمی ہی شامل نہیں ہیں، بلکہ اس کے علاوہ بچے تعلیم سے

محروم ہو جاتے ہیں اور لوگوں کی ذہنی اور جسمانی صحت متاثر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ دوبارہ آبادکاری کا عمل بذات خود بہت مہنگا عمل ہے۔

جنوبی ایشیا کے ممالک میں جاری اسٹرکچرل ایڈجسٹمنٹ پروگرام (SAP) نے آزاد خیالی کی پالیسی کی بنیاد پر رہائشی سیکٹر میں نجکاری کو متعارف کرایا ہے۔ کم خرچ مقامی ٹیکنالوجی کے مقابلے میں ایسی ٹیکنالوجی کو فروغ دیا جا رہا ہے جو ایک خاص حلقے کے لیے منافع بخش ہے۔ اسے غیر ملکی مالیاتی اداروں اور حکومتوں کی ضمانت سے جاری رہائشی اسکیموں کے ذریعے بھی عمل میں لایا جا رہا ہے۔

اربن ریسورس سینٹر کا کردار

ایشین کولیشن فار ہاؤسنگ رائٹس (ACHR)، بینکاک، کے رکن کے طور پر یو آر سی ۱۹۹۲ء سے کراچی میں بے دخلیوں کے عمل کا مطالعہ کر رہی ہے۔ کراچی میں رہائشی حقوق کے لیے کام کرنے والے ایک ادارے کے طور پر یو آر سی نہ صرف بے دخلی کے عمل کو قلم بند کرتی ہے بلکہ غریبوں کے رہائشی حقوق کے حصول کے لیے رائے عامہ بھی ہموار کرتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ آبادیوں کو مندرجہ ذیل امداد بھی فراہم کرتی ہے:

(۱) یہ غریب شہریوں کی کثیر تعداد میں بے دخلی سے گریز کے لیے یو آر سی دیگر ساجھی تنظیموں اور ماہرین کی مدد سے متبادل ترقیاتی منصوبے پیش کرتی ہے۔ مثال کے طور پر منظور کالونی نالے کا منصوبہ ("بے دخلی کا چلن" میں اس کا واقعاتی مطالعہ دیکھیں۔)

(۲) یہ غریب آبادیوں کو سرکاری اداروں سے رہائشی حقوق کے تحفظ کے بارے میں گفت و شنید کرنے میں مدد دیتی ہے۔

(۳) رہائشی حقوق کی خلاف ورزیوں کی طرف پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کی توجہ مبذول کرواتی ہے۔

(۴) آبادیوں کو انسانی کا حقوق کے لیے جد و جہد کرنے والے دیگر گروہوں سے منسلک کرتی ہے۔

(۵) بے دخلیوں کے خلاف خطوط نویسی کی عالمی مہم چلاتی ہے۔

(۶) آبادیوں کے سروے کرنے میں مدد دیتی ہے۔

بے دخلیاں اپنے ساتھ بے پناہ انسانی مصائب بھی لاتی ہیں۔ ان آبادیوں میں رہنے والے لوگ اکثر طویل عرصے تک ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں اور اپنی زندگی کا بڑا حصہ ایک ہی علاقے میں گزار دیتے ہیں۔ ان کے لیے بے دخلی ایک شدید بحران ہوتا ہے۔ لوگ اپنے پیچھے برسوں سے قائم رشتے ناتے اور دوستیاں چھوڑ جاتے ہیں۔ شہروں میں کھانے، پناہ گاہ، پانی اور زمین وغیرہ کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ بے دخلی کے متاثرین دوسری جگہوں میں خالی زمینوں پر تعمیرات کرتے ہیں جو غیر قانونی سمجھی جاتی ہیں۔ ان آبادیوں کو قانونی اور باضابطہ بنانے کے لیے انھیں برسوں انتہائی ناگوار حالات میں رہنا پڑتا ہے، اور کبھی کبھی اس سے بھی مقصد حاصل نہیں ہوتا ہے۔ وہ غیر قانونی آبادیاں جو قانونی طور پر باضابطہ بنائی جا سکتی ہیں، انھیں بھی سیاستدانوں، انتظامیہ اور بلڈر کے گٹھ جوڑ کے باعث منہدم کر دیا جاتا ہے۔ اگر قانون ان آبادیوں کے حق میں ہو تب بھی مقامی آبادیوں کے مکین سیاسی مدد کے بغیر یہ اس گٹھ جوڑ کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں۔ لیاقت کالونی کی بے دخلی اس کی ایک مثال ہے۔

۲

کراچی میں زمین کی آبادکاری اور رہائشی سہولتیں

۱۸۷۰ء میں کراچی ضلع کا شہری علاقہ ۱۳ مربع کلومیٹر تھا۔ ۱۹۷۱ء کی مردم شماری میں یہ ۲۸۹ مربع کلومیٹر تھا۔ ۱۹۷۴ء کے ماسٹر پلان کے مطابق کراچی کا رقبہ ۳۲۹ مربع کلومیٹر تھا اور ۱۹۸۸ء کے کراچی ڈویلپمنٹ پلان کے اعداد و شمار کے مطابق یہ ۳،۵۲۰ مربع کلومیٹر تک پہنچ چکا تھا۔ کراچی ڈویژن کا موجودہ رقبہ ۳،۵۲۷ مربع کلومیٹر ہے۔ زمین کی شہری علاقوں میں تبدیلی کی ۶۷۸۰ ایکڑ سالانہ کی موجودہ شرح کی رو سے کراچی بہت جلد اپنی ضلعی حدود پار کر جائے گا۔

کراچی میں آبادکاری کے لیے رہی سیکٹر کے تحت حاصل کی گئی بیشتر زمین، کراچی ضلع میں قائم ۱۲۰۰ سے زیادہ گوٹھوں اور گاؤں کے استعمال میں تھی۔ یہ زمین کھیتی باڑی اور جانوروں کی چراگاہ وغیرہ کے طور پر استعمال کی جاتی تھی۔ گوٹھوں کو ایک سال کے قابل تجدید پٹے (لیز) پر دی جانے والی اس زمین کا بیشتر حصہ سرکاری ملکیت میں تھا۔ ان گوٹھوں میں بہت سے گوٹھ کراچی کے بے قاعدہ شہری پھیلاؤ کا حصہ بن گئے ہیں۔ چوں کہ ان گوٹھوں کے رہنے والے اب اپنی زمینوں پر زراعت یا کھیتی باڑی نہیں کرتے اس لیے ان کی خود انحصاری ختم ہو گئی ہے۔ پچھلے کچھ سالوں میں یہ کراچی کی اقتصادی اور معاشرتی زندگی کے سرچشمے سے نکل کر کنارے پر پڑے ہوئے ہیں، اور ان پر آبادکاروں اور حکومتی آبادکاری ایجنسیوں کی طرف سے اپنے موجودہ علاقوں کو چھوڑ دینے کے لیے سخت دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔ اس کی ایک مثال رستم ذکری بلوچ گوٹھ کی بے دخلی ہے۔

تاہم ایک طرح یہ کراچی کی خوش قسمتی ہے کہ اس کی شہری حدود میں شامل ۱۳۲۵،۰۰۰ ایکڑ زمین میں سے ۱۲۰۰،۰۰۰ ایکڑ، جو اس کا ۹۰ فیصد ہے، کسی نہ کسی شکل میں سرکاری ملکیت کا حصہ ہے، جیسا کہ جدول ۱-۲ سے ظاہر ہے۔ یہ اعداد و شمار جمع ہونے کے بعد سے کراچی ڈویلپمنٹ اتھارٹی کی ملکیت میں زیادہ تر غیر آباد زمین، ملیر ڈویلپمنٹ اتھارٹی (MDA) یا لیاری ڈویلپمنٹ اتھارٹی (LDA) کو منتقل کی جا چکی ہے۔ کے ڈی اے اپنے بیشتر اثاثوں سے محروم ہو چکی ہے اور شدید مالی بحران کا شکار ہے۔ تاہم ان میں سے زیادہ تر مسائل، انتظامی اور مالیاتی بدانتظامی، بدعنوانی، غیر ضروری عملے اور جوابدہی کے موثر نظام کی غیر موجودگی کی وجہ سے ہیں۔

حکومت سندھ اور دوسری سرکاری ملکیت کی قابل آبادکاری زمینیں کے ڈی اے، ایل ڈی اے اور ایم ڈی اے کو منتقل کر دی جاتی ہیں، جو اپنے اصول و قواعد کے مطابق زمین کو قابل آبادی بنانے اور تعمیر کے لیے، پلاٹوں کی شکل میں مہیا کرتے ہیں۔ یہ ترقیاتی ادارے تفریحی سرگرمیوں، تجارت، اور معاشرتی اور طبعی ڈھانچے کی ترقی کے لیے بھی الگ سے زمین مختص کرتے ہیں۔ ان ترقیاتی اسکیموں میں تعمیر کا کام کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کے قواعد و قوانین کے مطابق بنائے گئے عمارتی نقشوں کی منظوری کے بعد ہی شروع ہو سکتا ہے۔

جدول ۱ء۲: کراچی میں زمین کی ملکیت

ادارہ	رقبہ (ایکڑ)	فیصد
کراچی ڈویلپمنٹ اتھارٹی	۱۲۴،۶۷۲	۲۹ء۳
کنٹونمنٹ بورڈ	۱۸،۵۸۶	۴ء۴
کراچی میٹروپولیٹن کارپوریشن	۲۴،۱۸۹	۵ء۷
ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی	۱۶،۵۶۷	۳ء۹
پاکستان اسٹیل ملز	۱۹،۳۶۱	۴ء۶
پورٹ قاسم	۱۲،۹۶۱	۳ء۰
کراچی پورٹ ٹرسٹ	۲۵،۲۵۹	۳ء۶
پاکستان ریلوے	۳،۱۱۹	۰ء۷
نجی	۲۷،۸۶۴	۶ء۵
حکومت سندھ	۱۳۷،۸۶۴	۳۲ء۳
حکومت پاکستان	۴،۰۵۱	۱ء۰
کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹیز	۱۵،۷۴۱	۳ء۷
سندھ انڈسٹریل اینڈ ٹریڈنگ اسٹیٹ (SITE)	۵،۳۸۰	۱ء۳

ماخذ: ماسٹر پلان اینڈ انوائرمنٹل کنٹرول یونٹ۔ KDA ۱۹۹۸ء

کراچی میں زمین ایک اہم مسئلہ ہے۔ قانونی اور غیر قانونی ذرائع سے زمین حاصل کرنے اور پھر اس کی آبادکاری کرنے کے لیے ایک مستقل جد وجہد جاری رہتی ہے۔ سیاستدانوں، انتظامیہ اور آبادکاروں کا طاقت ور گٹھ جوڑ نہ صرف تمام خالی زمینیں حاصل کر لیتا ہے بلکہ وہ زمینیں بھی ہتھیا لیتا ہے جو تفریح یا دوسری سہولتیں مہیا کرنے کے لیے مختص کی جا چکی ہوں۔ اسی گٹھ جوڑ کی وجہ سے آبادکار، زوننگ کے اصول وقوانین کی خلاف ورزی، لازمی طور پر کھلے رکھے جانے والے علاقوں پر غاصبانہ قبضہ اور قدرتی نکاسی آب کے نالوں وغیرہ پر تعمیرات کر لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ سیاستدانوں اور آبادکاروں کے باہمی گٹھ جوڑ کی وجہ سے حکومت کی زمینیں اور جائیدادیں برائے نام قیمتوں پر بیچ دی جاتی ہیں۔ لیاری عیدگاہ کے تحفظ کی کوششیں اس طرح کے گٹھ جوڑ سے مقابلے کی ایک مثال ہے۔

زمین کے استعمال کے منصوبوں کی بھی اکثر خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر، کے ڈی اے اسکیم ۳۳ کے کوریڈور پلان میں ۸۰ فیصد غیر رہائشی زمین اسکیم کے لیے سہولیات مہیا کرنے کی غرض سے مختص کر دی گئی تھی اور ۲۰ فیصد تجارتی مقصد کے لیے رکھی گئی تھی۔ تاہم، سہولیات کے لیے مختص کیے جانے والے تمام علاقے میں رہائشی اور تجارتی تعمیرات کی جا چکی ہیں، اور اس کے نتیجے میں کراچی ۳۰۷،۱۸۲ ایکڑ زمین سے محروم ہو گیا ہے جس میں پارکوں اور کھیل کے

میدانوں کی ۱۸۹،۲۷ ایکڑ زمین، تعلیمی اداروں کے لیے مختص کی جانے والی ۱۷۳،۶ ایکڑ زمین، طبی سہولیات کے لیے ۱۶۶،۵ ایکڑ اور آمدورفت کی سہولتوں سے متعلق ۱۵۴،۴۳ ایکڑ زمین شامل ہے۔

حکومت کی حکمتِ عملیاں

۱۹۴۷ء میں جب کراچی پاکستان کا دارالحکومت بنا اُس وقت یہاں کی آبادی تقریباً چار لاکھ تھی۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۱ء کے درمیان ہندوستان سے تقریباً چھ لاکھ مہاجرین کراچی آئے۔ ان مہاجرین کی اکثریت غریب اور مفلس تھی۔ یہ شہر کے تمام خالی علاقوں بشمول پارکوں، کھیل کے میدانوں، اسکولوں کی عمارتوں میں اور کنٹونمنٹ کی زمینوں پر آباد ہو گئے۔ اس وجہ سے شہریوں کو بنیادی سہولیات مہیا کرنے کے نظام پر سخت دباؤ پڑا اور صحت وصفائی کی سہولتوں کو قائم رکھنا ایک سنگین مسئلہ بن گیا۔ مہاجرین کی بھاری تعداد میں آمد کے ساتھ ساتھ سرکاری افسروں کی ایک بڑی تعداد بھی دارالحکومت منتقل ہوئی۔ اس ہجوم میں شمالی علاقوں سے کام کی تلاش میں آنے والے بھی شامل تھے مگر اُن کی تعداد کل مہاجرین کے ۵ فیصد سے زیادہ نہ تھی۔

حکومت کا ابتدائی ردِعمل یہ تھا کہ ان لوگوں کو شہر میں دستیاب تمام زمینوں اور خالی عمارتوں پر قبضہ کرنے کی اجازت دے دی۔ بعد میں کچھ عمارتوں کو خالی کرا کے ان کے مکینوں کو کنٹونمنٹ کے کھلے علاقوں میں منتقل کر دیا گیا۔ اُن کو فوجی انتظامیہ کے زیرِ استعمال فوجی بیرکوں کے درمیان کی جگہوں پر قیام کرنے کی اجازت دی گئی۔ اس عرصے کے دوران حکومت نے مہاجرین کو پانی اور صفائی کی سہولتیں مہیا کرنے کے لیے ۱۸۰ لاکھ روپے خرچ کیے۔

۱۹۵۰ء میں شہر کے مسائل حل کرنے کے لیے کراچی امپرومنٹ ٹرسٹ (KIT) کا قیام عمل میں آیا۔ بعد ازاں ۱۹۵۷ء میں اس کو ترقی دے کر کراچی ڈویلپمنٹ اتھارٹی میں تبدیل کر دیا گیا۔ ۱۹۵۲ء میں کے آئی ٹی نے ایم آر وی نامی ایک سویڈش فرم کی مدد سے "گریٹر کراچی پلان" کے نام سے کراچی کے لیے ایک ماسٹر پلان تیار کیا جس کو ایم آر وی پلان بھی کہتے ہیں۔ اس پلان نے ایک نئے انتظامی علاقے کے قیام کا خیال پیش کیا جس کو آمدورفت کے تیز رفتار راستوں کی مدد سے پرانے شہر سے ملایا جائے۔

کراچی میں زمین ایک اہم مسئلہ ہے۔ قانونی اور غیر قانونی ذرائع سے زمین حاصل کرنے اور پھر اس کی آبادکاری کرنے کے لیے ایک مستقل جدوجہد جاری رہتی ہے۔

مہاجرین کا جن علاقوں میں قیام تھا وہاں دس منزلہ فلیٹوں میں اُن کی آبادکاری کی تجویز بھی پیش کی گئی تاکہ وہ اپنے کام کی جگہوں کے قریب رہ سکیں۔

مہاجر کالونیوں کو بنیادی ترقیاتی ڈھانچہ فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ حکومت نے مہاجر سرکاری ملازمین کے لیے رہائشی یونٹوں کی تعمیر کا بیڑا بھی اٹھایا۔ تاہم، ان اقدامات سے کراچی کی رہائشی صورت حال پر کوئی فرق نہیں پڑا کیونکہ یہ بہت محدود پیمانے پر کیے گئے تھے۔

۱۹۴۷ سے ۱۹۵۹ء کے درمیان شہر کو درپیش

رہائشی بحران پر قابو پانے میں حکومت بری طرح ناکام ہوگئی۔ درحقیقت ان بارہ سالوں میں مکانوں کی فراہمی طلب کے مقابلے میں بہت کم رہی۔

۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۹ء تک کا زمانہ پاکستان میں سخت سیاسی عدم استحکام کا دور تھا، جس کی وجہ سے ایم آر وی پلان پر عملدرآمد نہیں ہوسکا۔ اس کے علاوہ حکومتی حلقوں میں یہ بھی محسوس کیا جارہا تھا کہ پلان کے تحت شہر کے وسط میں فلک بوس گنجان آباد رہائشی تعمیرات کی اجازت صرف اس صورت میں دی جانی چاہیے کہ نیا انتظامی مرکز پرانے شہر سے دور قائم کیا جائے۔ یا پھر متبادل کے طور پر غریبوں کو شہر سے باہر کالونیوں میں منتقل کردیا جائے۔

ایم آر وی پلان کی تیاری کے لیے ایک موزوں ڈیٹا بیس تیار نہیں کیا گیا اور اس نظریے کی نشوونما اور اس پر عملدرآمد کے لیے جو تحقیق ضروری تھی وہ بھی نہیں کی گئی۔ اس کے نتیجے میں ایم آر وی پلان اس مفروضے کی بنیاد پر تشکیل دیا گیا کہ ۲۰۰۰ء میں کراچی کی آبادی چھتیس لاکھ ہوگی، حالانکہ ۱۹۶۹ء میں ہی یہ حد پار ہوگئی تھی۔ ۱۹۹۸ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی ۹٫۲ ملین تھی اور موجودہ آبادی تقریباً ۱۲ ملین ہے۔

۱۹۵۸ء میں پاکستان میں فوجی حکومت قائم ہوگئی، چوں کہ یہ حکومت کسی کو جوابدہ نہیں تھی لہٰذا اس نے کئی ایسے فیصلے کیے جنھوں نے شہر کی آبادی کی شماریاتی صورت حال (demography) اور غریبوں سے متعلق رہائشی حکمتِ عملی پر اہم اور دوررس اثرات قائم کیے:

(۱) شہر میں ایک نئے انتظامی مرکز کے قیام کی عدم منظوری کے بعد دارالحکومت کو کراچی سے اسلام آباد منتقل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

(۲) غریبوں کو شہر سے باہر منتقل کرنے کا فیصلہ: صدر جنرل ایوب خان شہر کے مرکز میں مہاجرین کی رہائش اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بدصورتی سے سخت نالاں تھے، اور ایک سے زیادہ مواقع پر انھوں نے کہا کہ اقتدار کے مرکز کے آس پاس اس طرح کی متلون آبادی کی موجودگی میں موثر طریقے پر حکومت کرنا ناممکن ہے۔

(۳) پاکستان کو صنعتی ترقی کی راہ پر جلد از جلد گامزن کرنے کے لیے صنعتوں کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ مشینوں کے استعمال کے فروغ اور کھاد اور نئی اقسام کے بیجوں کے استعمال کا فیصلہ بھی کیا گیا۔ اس بات پر بھی اتفاق کیا گیا کہ نئی صنعتوں کے قیام کے لیے کراچی ایک قدرتی طور پر موزوں مقام ہے۔ نئی صنعتوں کے قیام کے فیصلے نے دیہی علاقوں سے لوگوں کو ملازمت کی تلاش میں کراچی آنے کی ترغیب دی جس کی وجہ سے شہر کی آبادی میں اضافے کی شرح ۱۹۶۰ء میں سات فیصد سالانہ سے بھی بڑھ گئی۔

گریٹر کراچی ری سیٹلمنٹ پلان

۱۹۵۸ء میں حکومتِ پاکستان نے ایتھنز کے ڈوکسیاڈس ایسوسی ایٹس (Doxiades Associates) کا گریٹر کراچی ری سیٹلمنٹ پلان (GKRP) کے لیے مشاورتی حیثیت میں تقرر کیا۔ نئی مشاورتی کمپنی نے بے شمار سرویز کی مدد سے ایک ڈیٹا بیس بنایا جس نے شہر کی نشوونما اور ترقی کا اپنے پیشرو کے مقابلے میں زیادہ بہتر تخمینہ پیش کیا۔

۱۹۵۹ء کے سروے کے مطابق شہر کے وسط میں ۱۱۹،۰۰۰ بے گھر خاندان مقیم تھے۔ ان میں سے صرف ۱۹،۰۰۰ مقامی اور باقی سارے ہندوستان سے آئے ہوئے مہاجرین تھے۔ ان میں سے ۵۵ فیصد جھگیوں میں، ۴۳ فیصد نیم مستقل عمارتوں میں، اور ۲ فیصد باقاعدہ مکانوں میں رہتے تھے۔

اس پلان کے اندازے کے مطابق پندرہ سے بیس سال میں کراچی کو ۵۰۰،۰۰۰ رہائشی یونٹوں کی ضرورت پڑے گی، اور اس تخمینے کو مدنظر رکھتے ہوئے غریبوں کے لیے ۳۰۰،۰۰۰ مکان بنانے کا بیڑا اٹھایا گیا۔ باقی ۲۰۰،۰۰۰ کے لیے حکومت نے فیصلہ کیا کہ ضروری سہولیات کے ساتھ پلاٹ بنادیے جائیں۔

اس پلان کے پہلے حصے کے تحت کراچی سے پندرہ بیس میل دور کورنگی اور نیو کراچی میں ٹاؤن شپس قائم کی جانی تھیں۔ ان مضافاتی بستیوں کے قرب وجوار میں وسیع صنعتی علاقوں کے قیام کا منصوبہ بنایا گیا اور ان علاقوں کو ترقی دینے کے لیے صنعت کاروں کو ترغیبی تجاویز پیش کی گئیں۔ اندرون شہر کے گندے علاقوں کی صفائی اور وہاں سے شہریوں کی نئے علاقوں میں منتقلی بھی منصوبے کا ایک کلیدی حصہ تھا۔ ابتدا میں ان دو کالونیوں کے لیے ٣٥،٠٠٠ ایک کمرے کے گھروں کے قیام کا منصوبہ بنایا گیا جن میں پانی، بجلی اور نکاسی کی سہولتیں مہیا ہوں۔ تاہم ١٩٦٢ء تک صرف ١٠،٠٠٠ مکانوں کی تعمیر ہو سکی جس کے بعد اس منصوبے کو ترک کر دیا گیا کیوں کہ یہ اپنے مقاصد حاصل کرنے میں ناکام رہا۔

گریٹر کراچی ری سیٹلمنٹ پلان کی منصوبہ بندی، عملدرآمد اور ناکامی کا کراچی شہر اور منصوبہ سازوں پر بڑا اثر ہوا۔ منصوبہ سازوں کو اس بات کا ادراک ہوا کہ غریبوں کو رہائش فراہم کرنے کا مسئلہ صرف طبعی، مالیاتی، اور ٹیکنالوجی اور نقل وحمل کے معاملات تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کے معاشرتی پہلو بھی بہت اہم ہیں۔ اس کے علاوہ اس بات کی بھی کوئی ضمانت نہیں تھی کہ غریب لوگ آبادکاری پر ہونے والے اخراجات ادا کر سکیں گے۔ الہٰذا بنیادی ترقیاتی ڈھانچے کے ساتھ ضروری تعداد میں مکانات مہیا کرنا ناممکن تھا۔

کراچی شہر کے بیشتر علاقے قابضین سے خالی کرا لیے گئے اور غریبوں کے لیے شہر کے مرکزی حصے میں زمین حاصل کرنا مشکل سے مشکل تر ہوتا گیا۔ اس صورت حال نے شہر کے کناروں پر غیر قانونی آبادیوں کے قیام کو جنم دیا اور رہائش کے سلسلے میں غیر رسمی سیکٹر کو استحکام بخشا۔ علاوہ ازیں، جیسے جیسے نئی منصوبہ بند ٹاؤن شپس قیام پاتی گئیں، قابضین ان کے آس پاس کے کھلے علاقوں میں منتقل ہونے لگے کیونکہ اس طرح وہ ان منصوبہ بند بستیوں کے لیے مہیا کردہ پانی اور نقل وحمل کی سہولیات سے استفادہ کر سکتے تھے۔

گریٹر کراچی ری سیٹلمنٹ پلان منسوخ کرنے کے بعد حکومت نے طے کیا کہ مستقبل میں غریبوں کے لیے مکانات نہیں تعمیر کیے جائیں گے۔ تاہم، حکومت اندرون شہر کی پسماندہ بستیوں کے انہدام کی حکمت عملی پر کاربند رہی اور ساتھ ساتھ ان علاقوں میں رہنے والوں کو شہر کے کنارے پلاٹ دے کر ٹاؤن شپس میں منتقل کرتی رہی۔

١٩٦٢ء سے ١٩٧٢ء کے درمیان حکومت نے غربی کراچی میں بلدیہ، اورنگی اور قصبہ کے نام سے تین ٹاؤن شپ قائم کیں۔ یہاں پر کسی قسم کی سہولتیں مہیا کرنے سے پہلے اندرون شہر سے قابضین کو یہاں لا کر، ٩٩ سال کے پٹے کی شکل میں مالکانہ حقوق دے کر آباد کرنا شروع کر دیا گیا۔ ان میں سے بیشتر علاقوں میں پائپوں کے ذریعے پانی کی فراہمی ١٩٨٢ء میں شروع ہوئی اور نکاسی کے پائپ اس وقت بھی موجود نہیں تھے۔ اگرچہ ان ٹاؤن شپس کے لیے اسکول، پارک، ڈسپنسری اور مارکیٹ وغیرہ کے پلاٹ مختص کیے گئے تھے مگر حکومت نے ان کی تعمیر میں کوئی دلچسپی نہ لی۔ اس کے علاوہ حکومت نے ان ٹاؤن شپس کی آبادکاری کے لیے اس علاقے میں موجود زرعی زمینیں بھی قبضے میں لے لیں۔ کسانوں نے اپنی زمینوں پر حکومت کے ناجائز قبضے کے خلاف عدالتوں میں مقدمات دائر کیے مگر ان میں سے متعدد مقدمے ہنوز تصفیہ طلب ہیں۔

یہ ٹاؤن شپ غریبوں کی بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر تھیں، الہٰذا ان کے آس پاس زمین کی غیر قانونی تقسیم اور فروخت کے ذریعے کچی آبادیوں کے قیام کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مثال کے طور پر اورنگی ٹاؤن شپ ١١٣٠٠ ایکڑ پر مشتمل ہے جس کو پلاٹوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ تاہم اس علاقے کے شمال مغرب میں غیر قانونی تقسیم کاروں نے ٢٠،٠٠٠ پلاٹوں پر مشتمل ١٦٠٠٠ ایکڑ کا اضافی علاقہ آباد کر لیا ہے۔ غربی کراچی کی ٢ ملین افراد پر مشتمل قابضین کی یہ کالونیاں ان تین ٹاؤن شپس کی آبادکاری کی وجہ سے قیام میں آئیں۔

یہ قابضین شہر کے اندر جن علاقوں میں آباد تھے وہاں درمیانے درجے کے فلیٹوں میں ان کی آبادکاری کی ایک تجویز ١٩٦٠ء میں پیش کی گئی تھی۔ تاہم

۱۹۷۰ء میں جا کر اس طرح کی ایک کوشش لیاری اور لائنز ایریا کے علاقے میں کی گئی۔ ان دونوں علاقوں میں آبادی کا صرف ایک مختصر حصہ منہدم کر کے مجوزہ فلیٹوں کی ایک قلیل تعداد تعمیر کی گئی۔ ان فلیٹوں کی قیمت یہاں کے مکینوں کی قوتِ خرید سے بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے ان کی تعمیر روک دی گئی اور تعمیر شدہ فلیٹوں میں نسبتاً زیادہ آمدنی والے لوگ آکر بس گئے۔ دریں اثنا وہ قابضین جن کے گھروں کو منہدم کر دیا گیا تھا شہر کے کنارے پر غیر قانونی طور پر آباد کچی بستیوں میں جا کر آباد ہوئے۔

غریبوں کے لیے مکانات تعمیر کرنے کا منصوبہ ترک کر دینے کے باوجود اس عرصے کے دوران کراچی ڈویلپمنٹ اتھارٹی ۵۰۰۰ پلاٹ سالانہ سے زیادہ فراہم نہیں کر سکی (اور یہ بھی متوسط آمدنی والے لوگوں نے حاصل کیے) جبکہ طلب ۲۰،۰۰۰ پلاٹ سالانہ سے زیادہ کی تھی۔

۱۹۷۲ء میں کراچی میں ۱ء۵ ملین کم آمدنی والے لوگ تھے جن میں سے ۸۰۰،۰۰۰ ان قبضہ کالونیوں میں رہتے تھے۔ کراچی کے ایک ماسٹر پلان سے یہ ظاہر ہوا کہ ۱۹۸۵ء تک حکومت ۵۹۰،۰۰۰ نئے مکانات تعمیر کرے گی جس میں سے ۲۵۰،۰۰۰ کم آمدنی والے طبقے کے لیے ہوں گے، جس کا مطلب یہ ہے ۱۹۷۲ء سے ۱۹۸۵ء کے درمیان کے ڈی اے کو اس طبقے کے لیے ۲۰،۰۰۰ پلاٹ مہیا کرنے تھے۔

کراچی ماسٹر پلان

کراچی ماسٹر پلان (۱۹۷۵۔۱۹۸۵) نے کراچی میں کم آمدنی والے گروہوں کے لیے تین طرح کے رہائشی منصوبوں کی سفارش کی: (۱) یوٹیلٹی وال ڈویلپمنٹ (UWD) اور (۲) اوپن پلاٹ ڈویلپمنٹ (OPD)، یہ دونوں محفوظ حقِ ملکیت اور تمام شہری سہولتوں کے ساتھ کم آمدنی والے طبقے میں سے غریب ترین افراد کے لیے تھے۔ (۳) امپرومنٹ اینڈ ریگولیشن پروگرام (IRP) یہ قبضہ کالونیوں کا درجہ بلند کرنے، اور جہاں مناسب ہو حقِ ملکیت دینے کے لیے تھا۔ اس کا مقصد لوگوں کو باقاعدہ پلاٹوں میں منتقل کرنا بھی تھا جہاں مالکانہ حقوق فراہم کرنے کی شرط نہ تھی۔

یوڈبلیوڈی اور او پی ڈی پروگراموں کے ایک بڑے حصے پر میٹرو ول پروگرام کے ذریعے عملدرآمد ہونا تھا۔ اس پروگرام کے تحت ہر سال نقل مکانی کر کے کراچی آنے والے ۲۰۰،۰۰۰ لوگوں کے لیے سالانہ ۳۰،۰۰۰ رہائشی یونٹ تعمیر کرنے کا ہدف حاصل نہ کیا جا سکا۔ یہ ہدف کراچی میں پہلے سے آباد مکینوں کی ضروریات کے علاوہ تھا۔

۱۹۸۲ میں کیے گئے ایک سروے کے مطابق کراچی کی آبادی کا ۲۷ فیصد یعنی ۲۲۳،۰۰۰ گھرانے کچی آبادیوں میں رہتے ہیں۔ یہ کچی آبادیاں سالانہ ۱۰ فیصد کے حساب سے بڑھ رہی ہیں۔ ۱۹۷۲ء کے بعد سے اندرونِ کراچی کی ایک آبادی، لیاری کے مکینوں کو لیز کے حقوق کی پیشکش کی گئی ہے۔ ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۸ء کے درمیان ۸۱،۰۰۰ گھروں میں سے صرف ۱۱،۲۵۰ نے لیز کے لیے درخواستیں دیں اور ان میں سے ۸۰ فیصد ان پلاٹوں کے لیے تھیں جن میں تجارتی و رہائشی عمارتیں بنانے والے آبادکار دلچسپی رکھتے تھے۔ یہ دیکھا گیا کہ زمین لیز پر لینے والے بیشتر لوگ اسے بیچ کر شہر کے کنارے کچی آبادیوں میں منتقل ہو گئے۔ اس وجہ سے ۱۹۷۸ء میں حکومت نے ایک قانون بنایا جس کے تحت لیز کے حقوق کی منتقلی صرف وراثت میں ہو سکتی تھی۔ جس کے نتیجے میں ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۰ء کے دوران صرف ۵۰۰ یا ۶۰۰ لوگوں نے لیز کے حقوق حاصل کیے۔ باضابطہ بنائے جانے کے باوجود ان مکانوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی اور لوگ ترقیاتی اخراجات کی ادائیگی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس بات کی امید تھی کہ یہ مسائل علاقے کے لوگوں، مقامی کونسلروں، لیڈروں اور علاقے کی تنظیموں کی شرکت سے حل کیے جا سکتے ہیں۔

جنوری ۱۹۷۸ء میں صدر پاکستان نے اعلان کیا کہ جنوری ۱۹۷۸ یا اُس سے پہلے قائم ہونے والی آبادیوں کو باضابطہ کردیا جائے گا۔ اُس وقت کی مارشل لاحکومت نے مارشل لا آرڈر ۱۸۳ کے تحت صدر کے اعلان کو قانونی تحفظ فراہم کردیا۔ کراچی میونسپل کارپوریشن نے ایک ڈائریکٹوریٹ آف کچی آبادی قائم کیا جس کو کچی آبادیوں کے سروے، منصوبہ بندی اور باضابطہ بنانے کی ذمہ داریاں سونپی گئیں۔

اس کے علاوہ، آبادیوں کو باضابطہ بنانے کے پروگرام کو چھٹے پنج سالہ منصوبے ۱۹۸۳ تا ۱۹۸۸ء کا حصہ بنادیا گیا۔ ایک اندازے کے مطابق اس پروگرام پر ۲،۱۰۳،۵۸ ملین روپے خرچ کیے جانے تھے۔ اس میں سے ۵۰ فیصد سے زیادہ یعنی ۱،۱۸۳،۸۵ ملین روپے اس پروگرام کی وجہ سے بے گھر ہونے والے افراد کے لیے زمین اور رہائشی سہولیات کی فراہمی پر خرچ کیے جانے تھے، اور باقی آبادیوں کا درجہ بڑھانے کے عمل پر۔

کے ایم سی نے درجہ بڑھانے کے لیے سب سے پہلے جس آبادی کا انتخاب کیا وہ بلدیہ ٹاؤن شپ تھی۔ یہ ۲۳،۵۰۰ پلاٹوں اور ۲۲۰،۰۰۰ کی آبادی پر مشتمل تھی۔ باضابطہ بنانے کا اعلان ۱۹۷۷ء میں ہوا مگر لیز کے حقوق دینے کا سلسلہ ۱۹۸۰ء کے اوائل تک شروع نہیں ہوا۔ ۱۹۸۳ء تک تقریباً ۳۰۰۰ پلاٹ لیز پر دیے جاچکے تھے۔ یہ اعداد و شمار ابتدائی توقعات سے بہت کم تھے اور اس کی وجہ سے پروگرام جس کا اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے لیز کی آمدنی پر انحصار تھا، مشکلات کا شکار ہوگیا۔ پراجیکٹ کی تجاویز کے مطابق ،بیس فیصد نادہندگی، اخراجات کی بازیابی کو مشکل اور منصوبہ کو ناقابل عمل بنادے گی۔

ماضی میں باضابطہ بنانے کے عمل کے دوران پیدا ہونے والی مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے موجودہ منصوبے میں علاقے کے لوگوں کی بھرپور شرکت اور مدد سے مشکلات کا مقابلہ کرنے کی امید تھی، مگر یہ شرکت بھی برائے نام رہی۔ یہ منصوبے کراچی میٹروپولیٹن کارپوریشن نے تیار کیے۔ مکینوں کی شکایات کو مسترد کرتے ہوئے کہا گیا کہ حکام نے پہلے ہی منصوبوں کی منظوری دے دی تھی۔ اور مکینوں کو نامکمل اور غلط معلومات فراہم کی گئیں۔ اُن کو بتایا گیا تھا کہ اسکول اور ہیلتھ سینٹر بنائے جائیں گے اور پانی کی فراہمی اور گندے پانی کی نکاسی کے نظام کو مزید بہتر بنایا جائے گا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ لیز کی دستیاب رقم بہتری کے ان منصوبوں پر عملدرآمد کے لیے ناکافی تھی۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ KMC صرف لوگوں سے لیز کی رقم حاصل کرنے میں دلچسپی رکھتی تھی تاکہ پروگرام کو جاری رکھا جاسکے۔

کسی اور بڑی کچی آبادی کو باضابطہ بنانے کا منصوبہ شروع نہیں کیا گیا۔ اب تک کے ایم سی کا کام صرف پانی کی فراہمی کے نظام اور مرکزی سڑکوں کی تعمیر تک محدود رہا ہے۔ کچی آبادی امپروومنٹ اینڈ ریگولرائزیشن پروگرام (KAIRP)، چھٹے پنج سالہ منصوبے کے لیے، اور کراچی ماسٹر پلان عرصہ ۱۹۷۳ء تا ۱۹۸۵ء کے لیے مکمل طور پر ناکام ہوگیا۔ کروڑوں روپے خرچ کرنے کے بعد تقریباً ۲۲۳،۰۰۰ مکانوں میں سے صرف ۱۸۰۰۰ مکانات کو باقاعدہ بنایا گیا۔ اس کے علاوہ امپروومنٹ اینڈ ریگولرائزیشن پروگرام میں زمین بھی خورد برد کی گئی۔ سرکاری سرویئرز نے منصوبوں میں غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے کھلے علاقوں کو مکانات دکھایا تاکہ وہاں لوگوں کو آباد کرکے اُن سے رقم وصول کی جائے۔ علاوہ ازیں تعمیر شدہ مکانات کو کھلے علاقوں کے طور پر دکھایا گیا جن کو بعدازاں مسمار کردیا گیا کیوں کہ منصوبے کے تحت ان کا وجود ہی نہ تھا۔ مسمار شدہ علاقے پر بعد میں تجارتی آبادکاروں نے قبضہ کرلیا۔ مارشل لا آرڈر ۱۸۳ کے تحت صرف ۱ جنوری ۱۹۷۸ء تک یا اُس سے پہلے قائم ہونے والی آبادیوں کو باقاعدہ بنایا جانا تھا اور باقی کو منہدم کردیا جانا تھا۔ تاہم ۷ اپریل ۱۹۸۶ء کو وزیراعظم پاکستان نے اعلان کیا کہ ۲۳ مارچ ۱۹۸۵ء سے پہلے قائم ہونے والی آبادیوں کو بھی باقاعدہ بنایا جاسکتا ہے۔

زمین کو باضابطہ بنانا

۱۹۸۷ء میں زمین کو باضابطہ بنانے کا ایک منصوبہ، کچی آبادی ایکٹ ۱۹۸۷ء (دیکھیں ضمیمہ ۳) کے نام سے عمل میں آیا۔ اس کے تحت کچی آبادیوں کی

ترقی اور باضابطگی کو بہت اہمیت دی گئی۔ اس ایکٹ کے تحت ۲۳ مارچ ۱۹۸۵ء تک قائم ہونے والی کم سے کم چالیس مکانوں پر مشتمل کچی آبادیوں کی باضابطہ بنانے کے لیے نشاندہی کی جائے گی۔ اور انھیں مندرجہ ذیل شرائط پر پورا اترنا ہوگا:

(۱) صوبائی اور مقامی ایجنسیوں کی زمینوں میں سے، سڑکوں، پانی کی فراہمی، نکاسی، وسپنسری کے لیے مختص زمینیں اور وہ بھی جو سیلابی زون میں ہوں، خارج سمجھی جائیں گی۔

(۲) اگر زمین وفاقی حکومت یا کسی شہری کی ذاتی ملکیت ہو تو متعلقہ حکام سے ایک نو آبجکشن سرٹیفکیٹ (این او سی) حاصل کرنا ہوگا۔

اس ایکٹ کے تحت ۱۹۸۷ء میں سندھ کچی آبادی اتھارٹی (SKAA) کا قیام عمل میں آیا۔ بے ضابطہ آبادیوں کی باضابطگی اور ترقی کے علاوہ آرٹیکل (X) ۵ کے تحت اتھارٹی کے فرائض منصبی میں یہ بھی شامل تھا: 'ضرورت کے مطابق، کچی آبادیوں اور ان علاقوں سے جن کو کچی آبادیوں کی حیثیت سے باقاعدہ نہیں بنایا گیا ہے، منتقل ہونے والوں کو کم خرچ مکانات اور از سر نو ترقی کی سہولتیں فراہم کی جائیں۔'

کراچی میں ۷ء۲ ملین آبادی اور ۳۲ء۰ ملین مکانات پر مشتمل ۵۳۹ کچی آبادیوں کو باضابطہ بنانے اور ترقیاتی پروگراموں کے لیے منتخب کیا گیا۔ یہ کچی آبادیاں شہر کے مختلف علاقوں میں ۷ء۲۵،۱۱۵ ایکڑ کے رقبے پر محیط ہیں۔ جون ۱۹۹۶ء تک بے دخل کیے جانے والے خاندانوں کے لیے کم خرچ مکانات یا از سر نو ترقی کی کسی اسکیم کی ابتدا نہیں ہوئی تھی۔

کراچی میں بلڈرز کی لابی سیاسی طور پر بہت طاقتور ہے۔ ان کی تنظیم ایسوسی ایشن آف بلڈرز اینڈ ڈویلپرز (ABAD) کا شہری منصوبہ سازی میں بڑا عمل دخل ہے۔ یہ تنظیم غریبوں کے لیے رہائشی سہولیات کی فراہمی میں کوئی حصہ نہیں لیتی ہے کیونکہ اس کام میں کوئی منافع نہیں۔ دریں اثنا کئی مواقع پر اس نے حکومت کی طرف سے غریبوں کو رہائشی سہولتیں فراہم کرنے کے پروگراموں پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے ان کو درمیانی طبقے کے لیے رہائشی و تجارتی منصوبوں میں تبدیل کر دیا۔ گذشتہ برسوں میں حکومتی پالیسیوں کی ناکامی کے ساتھ ساتھ دباؤ ڈالنے والے گروپ کی حیثیت سے 'آباد' کا اثر و رسوخ کافی بڑھا ہے۔ اس دباؤ کے نتیجے میں سندھ حکومت کے ہاؤسنگ اور ٹاؤن پلاننگ کے ڈپارٹمنٹ نے اپریل ۲۰۰۲ء میں سندھ ریگولیشن اینڈ کنٹرول آرڈیننس ۲۰۰۲ء (پلاٹوں کے استعمال اور عمارتوں کی تعمیر) کا نفاذ کیا۔ پچھلے تمام قوانین کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہوئے، یہ آرڈیننس پلاٹوں کے استعمال اور تعمیر کے سلسلے میں ہر طرح کی بے قاعدگیوں کو، فیسوں کی ادائیگی کے بعد، باقاعدہ قرار دینے کے مواقع فراہم کرتا ہے (دیکھیں ضمیمہ ۲)۔

غیر رسمی سیکٹر کا ظہور

غریبوں کی رہائش کے مسئلے کے جواب میں حکومت کی نامناسب اور ناکافی پالیسیوں نے رہائش کے سلسلے میں غیر رسمی سیکٹر کے قیام میں مدد فراہم کی۔ پچھلے کچھ سالوں میں اس سیکٹر نے اپنے آپ کو مجتمع کر کے باقاعدہ اپنے ادارے قائم کر لیے ہیں۔ اس نے کراچی کے غریبوں کو ان کی استطاعت کے مطابق قیمتوں پر فوری قبضے کے ساتھ زمین فراہم کرنے کا بندوبست کیا ہے۔ یہ اپنی قائم کی ہوئی آبادیوں میں پانی کی فراہمی کا بندوبست کرتا ہے اور بجلی اور ٹرانسپورٹ کی سہولتیں فراہم کرنے کے لیے حکومت پر کامیابی سے دباؤ ڈالتا ہے۔ اس کے علاوہ ان آبادیوں میں قائم ٹھیلے غریبوں کو قرضے پر عمارتی سامان مہیا کرتے ہیں اور انھیں مکان کی تعمیر کے سلسلے میں فنی مشورے بھی فراہم کرتے ہیں۔ یہ تمام کارروائیاں سرکاری قواعد و ضوابط کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے کی جاتی ہیں۔

غیر رسمی سیکٹر کو اکثر حکومت کی طرف سے تنگ بھی کیا جاتا ہے اور ان کے گاہکوں میں اپنی ضروریات کا شعور رکھنے والے لوگوں کا اضافہ ہو رہا ہے۔ لہٰذا اس

لوگوں اور حکومت کی طرف سے پیش کیے جانے والے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے طریق کار کو مستقل بہتر کرنے کی کوشش کرتے رہنا پڑتا ہے۔

آبادکاری ان تین نظاموں کے تحت ہوتی ہے: غیر منظم قبضہ، زمین غیر قانونی تقسیم، اور منظم قبضہ۔

غیر منظم قبضہ

۱۹۵۰ء کے اوائل میں جب مہاجرین کراچی منتقل ہوئے تو انھوں نے خود بخود شہر کے وسط میں تمام خالی زمینوں پر قبضہ کر لیا۔ حکومت نے اس عمل کی روک تھام کرنے کی کوشش اس لیے نہیں کی کہ اس کے پاس مہاجرین کو متبادل رہائش فراہم کرنے کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ غیر منظم قبضے کا یہ نظام شہر کی حدود تک، ریلوے لائنوں کے ساتھ کی زمینوں، ندیوں کے کنارے اور حکومت کی آبادکی ہوئی ٹاؤن شپ تک پھیل گیا۔ صنعتی عمارتوں کے نزدیک بھی کچھ چھوٹی آبادیاں قائم ہو گئیں۔ صنعت کاروں نے ان آبادیوں کو تحفظ فراہم کیا کیونکہ یہ آبادیاں صنعتوں کو سستے مزدور فراہم کرنے کا ایک ذریعہ تھیں۔ ۱۹۶۰ء میں حکومت نے قبضہ کالونیوں کے خلاف مہم چلائی اور ان کی ایک بہت بڑی تعداد کو مسمار کر دیا۔ ان کے مکینوں کو شہر سے باہر نئی ٹاؤن شپس میں منتقل کر دیا گیا۔ حکومت کی سختی، شہر کے وسط میں زمین کی کمی، اور لوگوں اور تجارتی حلقوں میں زمین کی قیمت کا شعور پیدا ہونے کی وجہ سے غیر منظم قبضہ مشکل سے مشکل تر ہوتا گیا اور آج یہ تقریباً ایک غیر معروف عمل بن گیا ہے۔ ان آبادیوں کی تعداد میں کمی کو جدول ۲،۲ میں دکھایا گیا ہے۔

جدول ۲،۲

دور	منتقلی کے ذریعہ قائم ہونے والی آبادیاں
۱۹۵۶_۱۹۴۷	۸۴
۱۹۶۶_۱۹۵۷	۴۵
۱۹۷۶_۱۹۶۷	۱۱

زمین کی غیر قانونی تقسیم

کراچی میں سرکاری زمین کی غیر قانونی تقسیم ۱۹۵۰ء میں شروع ہو گئی تھی۔ تاہم ۱۹۶۰ء کی دہائی میں قبضہ کالونیوں کے خلاف حکومت کے اقدامات اور شہر میں زمین کی بڑھتی ہوئی قلت کی وجہ سے غیر قانونی تقسیم کا نظام صحیح معنوں میں پھیلا۔ غیر رسمی سیکٹر میں ہونے والی تقریباً تمام آبادکاری اب اسی نظام کے تحت ہوتی ہے اور اس کا خاتمہ کرنے کی تمام تر کوششوں کے باوجود یہ نظام مستقل پھیل رہا ہے۔ اس کے پھیلاؤ میں اس حقیقت سے بھی مدد ملتی ہے کہ کراچی شہر حکومت کی غیر استعمال شدہ زمین سے گھرا ہوا ہے۔ جدول ۳،۲ میں ۱۹۷۸_۱۹۷۶ء کے درمیان زمین کی غیر قانونی تقسیم کے ذریعے وجود میں آنے والی آبادیوں کی تعداد میں اضافے کو ظاہر کیا گیا ہے۔

جدول ۲٫۳

دور	غیر قانونی تقسیم کے ذریعے وجود میں آنے والی آبادیاں
۱۹۵۶_۱۹۴۷	۱۱
۱۹۶۶_۱۹۵۷	۱۳
۱۹۷۶_۱۹۶۷	۲۶

نوٹ: اس جدول کے اعداد و شمار کسی حد تک گمراہ کن ہیں۔ شروع میں قائم ہونے والی آبادیاں بعد میں قائم ہونے والی آبادیوں سے چھوٹی تھیں۔

غیر قانونی تقسیم سے بننے والی ابتدائی آبادیاں سرکاری حکام کی شراکت کے بغیر وجود میں آئیں۔ تاہم ۱۹۶۰ء تک اعلیٰ سرکاری حکام اس نظام کو فروغ دینے لگے تھے اور اس کا تحفظ بھی کر رہے تھے اور اس عمل میں ان کی کثیر آمدنی ہو رہی تھی۔ بعد میں پولیس اور ڈپٹی کمشنر کا آفس بھی آبادکاری کے اس عمل میں شامل ہوگیا۔ اور اب ان کے، آبادکار کے اور زمین کے خریدار کے درمیان ایک مستحکم رشتہ قائم ہوگیا ہے۔ زمین کی غیر قانونی تقسیم کرنے والے آبادکار سرکاری حکام کے جانے پہچانے ہیں اور اس کاروبار میں ان کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ ان کے اور سرکاری حکام کے درمیان عدم اعتماد کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ عام طور سے یہ حکومت کی زمین کے کسی قطعے پر قبضہ کرنے کے بعد انتظار کرتے ہیں کہ کوئی ان کے قبضے کو چیلنج کرنا چاہے۔ اس کے بعد مذاکرات شروع ہوتے ہیں اور اس بات پر اتفاق ہوتا ہے کہ زمین کی فروخت سے ہونے والے منافع میں سرکاری حکام کا کتنا حصہ ہوگا۔ مقامی پولیس کا اس منافع میں کوئی حصہ نہیں ہوتا مگر مکان کی تعمیر اس وقت تک شروع نہیں ہوسکتی جب تک علاقے کی پولیس کو مکان مالک کی طرف سے ایک مخصوص رقم ادا نہ کردی جائے۔ اکثر صورتوں میں یہ نظام اتنا منظم ہوچکا ہے کہ کے ایم سی اور ضلعی پولیس حکام کے اپنے ایجنٹ ہیں جو زمین کی غیر قانونی تقسیم کرنے والوں سے حساب کتاب کرتے ہیں اور حکام کی طرف سے رقومات کی وصولی کرتے ہیں۔ پاکستان میں جمہوری حکومت کے دور میں غیر قانونی تقسیم کے ذریعے آبادکاری میں بہت اضافہ ہوا ہے۔

اس طریقے سے قائم ہونے والی مکمل طور پر ترقی یافتہ آبادیوں میں زمین کی قیمت، انھی علاقوں میں کے ڈی اے کی قائم کردہ ٹاؤن شپس میں پلاٹوں کی قیمتوں کے برابر ہوتی ہے۔ اس سے ان آبادیوں کے حق ملکیت کے تحفظ کی قوت ظاہر ہوتی ہے۔ یہ حق ملکیت، کچی آبادیوں میں مکینوں کی بڑی تعداد، علاقے میں رہائش کے اچھے معیار اور پانی، بجلی اور سڑکوں جیسی سہولتوں کی وجہ سے مستحکم ہے۔ اور یہ سب اس طرح کی آبادکاری میں سرکاری حکام کی شمولیت کی وجہ سے ممکن ہوا ہے۔ جب کچی آبادی میں زمین غریبوں کی قوتِ خرید سے باہر ہوجاتی ہے تو اس کے ساتھ کی زمین پر قبضہ کرکے آبادکاری شروع کردی جاتی ہے۔

جو کچی آبادیاں باقاعدہ قرار دیے جانے کے لیے منتخب ہوچکی ہیں وہاں زمین کی قیمت اور کرایوں پر، حکومت کے ریگولرائزیشن پروگرام اور اصلاحات کی وجہ سے بہت اثر پڑا ہے۔ باضابطہ بنانے اور ترقی کے امکانات کی وجہ سے کم آمدنی والے علاقوں کا درمیانی آمدنی والے علاقوں میں تبدیل ہونے کا امکان پیدا ہوگیا ہے۔ لہٰذا غریبوں کی ان علاقوں سے نئی کچی آبادیوں میں منتقلی پہلے ہی شروع ہوچکی ہے۔ چونکہ اندرون شہر کی کالونیوں کی ایک بڑی تعداد کو باضابطہ بنانے

کے لیے منتخب نہیں کیا گیا ہے، اس لیے ان کالونیوں سے شہری حدود پر واقع آبادیوں کی طرف ہجرت یقینی ہے۔

سابق وزیر اعظم محمد خان جونیجو کے ۷ اپریل ۱۹۸۶ء کے اعلان کے بعد ۲۳ مارچ ۱۹۸۵ء سے پہلے قائم ہونے والی کچی آبادیوں کی باقاعدگی ممکن ہو گئی۔ اس اعلان سے پہلے اہلیت کی آخری تاریخ یکم جنوری ۱۹۷۸ء تھی۔ لوگوں اور ذیلی تقسیم کاروں نے تاریخ کی اس تبدیلی کو اپنی سیاسی قوت کو تسلیم کیے جانے کا اظہار سمجھا اور لوگوں میں خیال تقویت پا گیا ہے کہ غیر قانونی تقسیم کے ذریعے قائم ہونے والی مزید آبادیوں کی روک تھام یا انہدام ممکن نہیں ہے۔

منظم قبضہ

منظم قبضہ کراچی میں ایک نیا عمل ہے۔ اس کے تحت کرائے کے مکانوں میں رہنے والے گھرانوں کی ایک بڑی تعداد اکٹھی ہو کر ایک قطعہ زمین منتخب کرتی ہے اور پھر راتوں رات وہاں منتقل ہو کر مکانات بنا لیتی ہے۔ زمین پر قبضہ کرنے کے بعد قبضہ کنندگان حکومت کے ساتھ مقدمہ بازی شروع کر دیتے ہیں، اور عام طور پر فیصلہ ہونے تک کے لیے عدالت سے حکم امتناعی حاصل کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد یہ مزید تحفظ کی خاطر دوسرے لوگوں کو بھی آبادی میں منتقل ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔

منظم قبضے کے ذریعے قائم ہونے والی ایک آبادی کے سروے سے یہ ظاہر ہوا کہ تقریباً ۸۵ فیصد مکین پہلے کرائے کے مکانوں میں رہتے تھے اور کرائے کے خرچ سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اور ان میں سے ۷۰ فیصد کے پاس مستقل ملازمت نہیں تھی۔

ہر سال حکومت کی ۱۱۰۰ ایکڑ زمین پر کچی آبادیاں قائم کرنے کے لیے قبضہ کر لیا جاتا ہے۔ اس زمین سے تقریباً ۲۰۰ ملین روپے کی خالص آمدنی ہوتی ہے۔ سرکاری حکام، مقامی پولیس، دلال اور کونسلر اس آمدنی کو آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔

رسمی اور غیر رسمی سیکٹر کے آبادکار دوسرے طریقوں سے بھی زمین پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ وہ غیر قانونی آبادیاں جو قانون کے تحت باضابطہ بنائی جا سکتی ہیں، ان کو بھی سیاستدانوں، انتظامیہ اور بلڈر مافیا کا گٹھ جوڑ منہدم کروا دیتا ہے۔ جن آبادیوں کو سیاسی مدد حاصل نہیں ہوتی، وہ قانون کی رو سے حق پر ہوتے ہوئے بھی، اس گٹھ جوڑ کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہیں۔ (لیاقت کالونی کی کیس اسٹڈی دیکھیں۔)

عام لوگوں اور این جی اوز (NGOs) کے لیے زمین سے متعلق معلومات حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ حکومتی ادارے ان معلومات کو خفیہ رکھتے ہیں۔ اور نہ ہی ان معلومات کو ایسی طرز پر منظم کیا گیا ہے کہ متاثرین یا جو لوگ اپنی زمینوں کی حفاظت کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں، ان کو استعمال کر سکیں۔ اس کے علاوہ منصوبوں اور تحریری ریکارڈ میں بڑے تضادات پائے جاتے ہیں۔ ان تمام وجوہات کی بنا پر شہریوں اور تمام لوگوں کے لیے زمین کے استعمال کے معقول اور منصفانہ تبادل کے لیے جدوجہد کرنا یا زمین کے استعمال کے موجودہ منصوبوں پر عملدرآمد کی کوشش کرنا بہت مشکل ہے۔

غریبوں نے اپنے مسائل کے نت نئے حل تلاش کر لیے ہیں۔ ان حلوں کو سمجھنے اور ان کے لیے ایک معقول اور سازگار ماحول تشکیل دینے کی ضرورت ہے۔ پاکستان، سری لنکا، تھائی لینڈ اور ہندوستان میں حکومتوں نے قبضہ کالونیوں کو قبول کرنا شروع کر دیا ہے، اور ان کی ترقی کے عمل کا آغاز کر دیا ہے۔ اس کے اثرات دور رس ہوں گے۔ جب لوگ اپنے حق ملکیت کو محفوظ سمجھیں گے تو اپنے مکانوں اور آبادیوں میں سرمایہ کاری بھی شروع کر دیں گے۔ فنی رہنمائی اور مدد سے قبضہ کالونیوں کو باضابطہ رہائشی منصوبوں کی شکل دی جا سکتی ہے۔

قائد اعظم کالونی: غریب شہریوں کو کسی معاوضے یا متبادل رہائش کی فراہمی کے بغیر ان کے گھروں سے بے دخل کر دیا جاتا ہے۔

۳

۱۹۹۲ء کے بعد سے کی جانے والی بے دخلیاں

جبری بے دخلیوں سے انسانی وقار اور زندگی جیسے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ بااثر افراد کے اقتصادی مفادات اور خواہشات کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے، حکومتیں، امیروں کو رہائش اور اقتصادی ڈھانچہ فراہم کرنے کے لیے غریبوں کو جبری طور پر بے دخل کر دیتی ہیں۔ غریب شہری جو شہر کی آبادی کا ایک بڑا حصہ ہیں، ان کو ان منصوبوں سے بہت معمولی فوائد حاصل ہوتے ہیں، بلکہ یہ لوگ مزید غربت کی طرف دھکیلے جا رہے ہیں۔ بے دخلیاں غریبوں کے مکانات اور قلیل اثاثوں کو تباہ کر کے لوگوں کو مزید مفلس بنا دیتی ہیں۔ جو معاشرتی تانے بانے بنانے کے لیے ضروری ہیں، وہ ان جبری بے دخلیوں کی وجہ سے تباہ ہو رہے ہیں۔ لوگ قابلِ بھروسہ پڑوسیوں، دوستوں، ایک گھریلو ماحول، اور مشکل حالات میں سہارا دینے والی برادری سے محروم ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً عمر رسیدہ لوگوں کے لیے بے دخلی ایک شدید بحران ہے۔ سب سے بڑھ کے بچوں پر اس جبری بے دخلی کے غیر انسانی عمل کا جو اثر ہوتا ہے وہ جنگ سے متاثر ہونے والے بچوں سے بہت زیادہ مختلف نہیں۔

زمین کی سٹے بازی کی وجہ سے اس کی بے اندازہ بڑھتی ہوئی قیمتوں کے سبب غریب شہریوں کو مناسب معاوضے یا معقول متبادل رہائشی زمین مہیا کیے بغیر بے دخل کر دیا جاتا ہے۔ بے دخلیاں ظالمانہ طور پر انتہائی سرعت سے انجام دی جاتی ہیں۔ پولیس خالی کرائے جانے والے علاقے کو محصور کر لیتی ہے۔ پھر کرائے کے غنڈے بلڈوزروں پر سوار اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔ بے دخل کیے جانے والے عام طور سے شہر کی حدود سے باہر کی طرف دھکیل دیے جاتے ہیں۔ کراچی کا بے دخل ہونے والا ایک شہری کہتا ہے: ''ایک دن علاقے کا کونسلر، پولیس اور دوسرے لوگوں کے ساتھ آیا اور کہنے لگا کہ وہ ہمیں دوسری جگہ منتقل کرنے آئے ہیں لہٰذا ہم اپنا سامان باندھ لیں۔ میرے بچوں کا کیا ہوگا؟ میں اُن کے کھانے پینے کا بندوبست کہاں سے کروں گا؟ میرے مکان کا کیا ہوگا؟ میری نوکری؟ میرے اوپر غشی طاری ہو گئی۔ مجھ سمیت کوئی بھی سوچنے سمجھنے کے قابل نہ رہا۔ ہم کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے کیوں کہ اُن کے پاس اسلحہ تھا۔ عورتیں رو رہی تھیں۔ ہم نے بڑی مشکلوں سے پیسے جمع کر کے اپنے گھروں کو تعمیر کیا تھا اور اب وہ انھیں تباہ کرنے کے در پے تھے۔ ہمیں ایک گہری کھائی میں پلاٹ دے گئے۔ وہاں ہم کس طرح اپنے مکان تعمیر کریں گے؟''

انہدام کا عمل

متعلقہ اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۹۲ء سے اب تک سرکاری ایجنسیوں نے ۱۷،۲۳۸ سے زیادہ مکانوں اور دکانوں کو منہدم کیا ہے۔ ان میں سے بیشتر انہدامی کارروائیاں تجارتی مقاصد یا فلک بوس عمارتوں کی تعمیر کے لیے زمین ہتھیانے کی غرض سے کی گئیں۔ بلڈر مافیا سرکاری ایجنسیوں کو اس مقصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ متاثرہ خاندانوں کو پیشگی نوٹس نہیں جاری کیے گئے تھے۔

جنوری ۲۰۰۱ء سے جون ۲۰۰۱ء کے درمیان کے ایم سی اور کے ڈی اے جیسی سرکاری ایجنسیوں نے شہر کی مختلف آبادیوں میں ۲۸۱۸ مکان منہدم کیے۔ اس عمل کے نتیجے میں ۵،۳۳۶ سے زیادہ خاندانوں کے ۲۲،۵۰۰ سے زیادہ افراد بے گھر ہوئے۔ ان انہدامی کارروائیوں کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں: (۱) ۸-۱۰ جنوری ۲۰۰۱ء ریتی لائن، ریلوے کالونی میں ۷۰۰ مکان (۲) ۱۴ جنوری ۲۰۰۱ لیاقت آباد میں ۵۰ مکان (۳) ۸ مئی ۲۰۰۱ نارتھ ناظم آباد بلاک ای، ۲۰۰ جھگیاں (۴) ۱۰ مئی ۲۰۰۱ معصوم شاہ ریلوے کالونی نزد کالا پل، ۳۰۰ سے زیادہ مکان (۵) ۲۶ مئی ۲۰۰۱ غازی گوٹھ گلستان جوہر، ۲۰۰ مکان (۶) ۷-۸ جون ۲۰۰۱ بلال کالونی سیکٹر ۷ اے اور متین شاہ کالونی سیکٹر ۷ بی نارتھ کراچی، ۳۰۰ مکانات (۷) ۲۹ اگست ۲۰۰۱ جمعہ گوٹھ ریلوے کالونی، گلستان جوہر، ۵۰۰ مکان (۸) ۱۵ نومبر ۲۰۰۱ غریب آباد ریلوے لائن، گلشن اقبال، ۴۰۰ مکان (۹) ۵ دسمبر ۲۰۰۱ ہزارہ کالونی ڈی ایریا نزد کالا پل، ۶۸ یونٹ (بشمول ۳۱ دکانیں)۔ کراچی میں پاکستان ریلوے کے ہاتھوں منہدم ہونے والے مکانوں کی کل تعداد ۲۰۰۰ ہے۔ انسداد تجاوزات کی مہم، اور سڑکوں کی توسیع اور نکاسی آب کی سہولتوں جیسے ترقیاتی منصوبوں کو ان بے دخلیوں کی وجہ بتایا جاتا ہے۔ جدول ۳،۱ میں کراچی میں ہونے والی حالیہ بے دخلیوں کی تفصیل دکھائی گئی ہے۔

تخمینے کے اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکانات کے انہدام کے نتیجے میں غریب شہریوں کو تقریباً ۳۴۷ ملین روپے کا نقصان ہوا ہے۔ ان تخمینوں میں بے دخلیوں کی معاشرتی اور نفسیاتی قیمت شامل نہیں ہے۔ بیشتر مواقع پر لوگوں کی نوکریاں چھوٹ جاتی ہیں، بچے اسکولوں سے دور ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے یا تو بچوں کی تعلیم چھوٹ جاتی ہے یا تعلیمی اخراجات بڑھ جاتے ہیں اور پورا ماحول تباہ ہو جاتا ہے۔ سروے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کراچی میں بے دخلیاں بڑے ظالمانہ طریقے سے عمل میں لائی جاتی ہیں۔ سرکاری ایجنسیاں کسی نوٹس، معاوضے اور متبادل بندوبست کے بغیر اکثر رات کے اندھیرے میں غریب خاندانوں کو بے دخل کر دیتی ہیں۔

جدول ۳،۱ — بے دخلی کے کچھ واقعات کی تفصیل

آبادی/علاقہ	منہدم کیے جانے والے مکانوں کی تعداد	تاریخ	وجوہات
نور محمد ولیج، کارساز	۴۰۰	۲۹/۵۰/۹۷	کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ آفس کی عمارت کی تعمیر کرنا چاہتا تھا
جونیجو ٹاؤن، منظور کالونی	۱۵۰	۵/۱۰/۹۷	کراچی ڈیولپمنٹ اتھارٹی کی زمین
گرم چشمہ گوٹھ، منگھوپیر	۱۵۰	۲۲/۱۱/۹۷	زمین ہتھیانے والے شامل تھے
عمر فاروق ٹاؤن، کالا پل	۱۰۰	۲۳/۲/۹۸	پل کی توسیع
منظور کالونی	۲۰	۲۱/۵/۹۸	
لیاقت کالونی، لیاری	۱۹۰	۱۷/۱۰/۹۸	کے ایم سی نے ۱۰۰ سالہ پرانے پلاٹ کو (رفاعی پلاٹ) قرار دے دیا
گلاس ٹاور، کلفٹن	۱۰	۲۶/۱۱/۹۸	گلاس ٹاور پارکنگ

غریب آباد، سبزی منڈی اور قائد اعظم کالونی	۲۵۰ ۳۵	۲۸/۱۲/۹۸	قانون نافذ کرنے والے اداروں کے لیے گزرگاہ
بفرزون	۳۵	۱۰/۲/۹۹	زمین کا تنازعہ
کوثر نیازی کالونی، نارتھ ناظم آباد		۱۷/۲/۹۹	زمین کا تنازعہ
ذکری بلوچ گوٹھ، گلستان جوہر	۲۵۰	۱۵/۳/۹۹	فلک بوس عمارتوں کی تعمیر کے لیے
الہلال سوسائٹی، سبزی منڈی	۹۲	۱۵/۳/۹۹	بلڈر مافیا شامل تھے
سکندر آباد کالونی، کراچی پورٹ ٹرسٹ	۴۰	۲۳/۸/۹۹	کے پی ٹی نے اپنی زمین کا مطالبہ کر دیا
گودھرا کیمپ، نیو کراچی	۳۵۰	۱۷/۱۱/۹۹	ناجائز تجاوزات کے خلاف کارروائی
شیر پاؤ کالونی، محمد علی سوسائٹی	۲۰	۲۹/۱۱/۹۹	شہری سہولیات کے لیے مختص پلاٹ
جیلانی ریلوے اسٹیشن	۱۹۰	۲۰/۱/۰۰	ریلوے کی زمین
گرو مندر	۳۷ دکانیں	۲/۸/۰۰	بلدیہ عظمیٰ کراچی کی جانب سے سڑک کی توسیع
چکرا گوٹھ، ناصر کالونی، کورنگی	۲۰۰	۹/۸/۰۰	نالہ منصوبہ
گولڈن ٹاؤن، شاہ فیصل کالونی	۹	۱۰/۸/۰۰	نالہ منصوبہ
ریلوے لائن، ڈرگ کالونی	۱۱۷	۲۳/۱۱/۰۰	ریلوے کی زمین
ریتی لائن، ریلوے کالونی	۷۰۰	۸/۱/۱	ریلوے کی زمین
لیاقت آباد	۵۰	۱۳/۲/۱	بلدیہ عظمیٰ کراچی کی طرف سے تجاوزات ہٹانا
بلاک ای، نارتھ ناظم آباد	۲۰۰	۸!۵/۱	سڑک کی توسیع
معصوم شاہ، ریلوے کالونی نزد کالا پل	۴۰۰	۱۰/۵/۱	ریلوے کی زمین
غازی گوٹھ، گلستان جوہر	۲۰۰	۲۶/۵/۱	کے ڈی اے کی طرف سے زمین کی واپسی کا مطالبہ
بلال کالونی، سیکٹر ۲ اے اور متین شاہ کالونی، سیکٹر ۲ بی نارتھ کراچی	۳۰۰	۷/۶/۱	سڑک کی توسیع
جنوری ۹۷ء سے جون ۲۰۰۱ء تک منہدم کیے جانے والے مکانات کی کل تعداد			۵،۴۳۸
۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۶ء تک انہدام کے مجموعی واقعات			۱۲،۰۰۰
۱۹۹۲ء سے اب تک منہدم کیے جانے والے مکانات کی کل تعداد			**۱۷،۴۳۸**

نوٹ: یہ صرف وہ واقعات ہیں جن کی رپورٹ کی گئی۔ اس کے علاوہ بہت سارے ایسے واقعات ہیں جن کی رپورٹ نہیں کی جا سکتی۔

واقعاتی مطالعے (Case Studies)

لیاری عیدگاہ، ۱۹۹۶ء

فقیر محمد دُرا خان روڈ پر واقع عیدگاہ لیاری کے چار قدیم ترین علاقوں: جونا کمبار واڑہ، شمس شاہ پلاٹ، چاکیواڑہ اور اولڈ حاجی کیمپ (موجودہ نمبر مارکیٹ) کے درمیان واقع ہے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ عیدگاہ ۲۵۰ سال پہلے کلہوڑہ خاندان کے دورِ حکومت میں بنائی گئی۔ یہاں کے ۸۲ سالہ پیش امام جو ۶۳ سال سے امامت کررہے ہیں، بتاتے ہیں کہ تحریکِ آزادی کے بہت سارے مجاہدین یہاں عید کی نماز پڑھنے آتے تھے۔

یہ عیدگاہ گنجان آبادی والے علاقوں کے درمیان واقع ہے۔ یہاں زمین کے استعمال میں بہت تبدیلیاں آئی ہیں۔ ایک منزلہ عمارتیں اب چار، پانچ اور چھ منزلہ عمارتوں میں تبدیل ہوگئی ہیں۔ چاکیواڑہ، جونا کمبار واڑہ اور اولڈ حاجی کیمپ میں زمین کی قیمت کا تخمینہ ۱۰،۰۰۰ سے ۲۰،۰۰۰ روپے فی مربع گز لگایا جاتا ہے۔ یہ عیدگاہ تنگ گلیوں اور ناہموار سڑکوں کے جال میں محصور ہے اور اس کے گرد ایک مربع میل کے علاقے میں کوئی خالی پلاٹ، پارک یا کھیل کا میدان باقی نہیں بچا ہے۔ جو لوگ اس عیدگاہ کے تحفظ کی کوششیں کررہے ہیں وہ اس کی تاریخی اور ماحولیاتی اہمیت سے واقف ہیں۔ اندرونِ شہر کے بس مالکان، مختلف اشیا کے ٹرانسپورٹر، اور مختلف بلڈرز اس زمین کو حاصل کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں اور یہ لوگ بازار کی قیمت سے بڑھ چڑھ کر بولیاں لگا رہے ہیں۔ اس دباؤ کا بھرپور طریقے سے مقابلہ کرنے اور عیدگاہ کے معاملات کی دیکھ بھال کرنے کے لیے علاقے کے لوگوں نے ایک مسجد کمیٹی بنائی۔ بعد میں یہ کمیٹی علاقے کے ایک مشہور سماجی کارکن کی سرکردگی میں، ایک ایکشن کمیٹی میں تبدیل کردی گئی۔ اس کمیٹی کو علاقے کے لوگوں کی بھرپور حمایت حاصل ہے۔

مختلف گروپوں کی طرف سے دباؤ کے علاوہ، پچھلے ۱۶ سالوں میں اس تاریخی مقام کے حصول کے لیے دو بڑے جھگڑے ہوئے ہیں۔ دونوں مواقع پر بااثر لوگوں نے تجارتی مقاصد کی غرض سے استعمال کرنے کے لیے زمین کی قانونی درجہ بندی کو تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ ۱۹۷۹ء میں ۲۵ء۱۱ روپے فی مربع گز کے حساب سے یہ زمین مولانا عبدالرحمان کو دے دی گئی۔ مولانا یہاں پر ایک مدرسہ تعمیر کرنا چاہتے تھے۔ مدرسے کی تعمیر اور اس کے انتظامی اخراجات کو پورا کرنے کے لیے مولانا نے اسکول کے گرد رہائشی اپارٹمنٹ اور دکانیں تعمیر کرنے کی تجویز پیش کی۔

۲۵۰ سال پرانی لیاری عیدگاہ

علاقے کے لوگوں نے اس تجویز کی شدید مخالفت کی اور کراچی میٹروپولیٹن کارپوریشن کو اس کی الاٹمنٹ منسوخ کرنی پڑی۔

ایکشن کمیٹی کے ممبران کے مطابق اس زمین کو ہتھیانے کے لیے ایک اور ڈھکی چھپی کوشش کی گئی۔ برطانوی دورِ حکومت میں لیاری عیدگاہ شہر کی سب سے بڑی عیدگاہ تھی۔ لہٰذا حکومت عید کی نماز کے لیے پیش امام کا تقرر کرتی تھی اور عیدگاہ مینجمنٹ کمیٹی مسجد کے معاملات کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ ۱۹۶۳ء میں مینجمنٹ کمیٹی کو ختم کر کے عیدگاہ کو محکمہ اوقاف کے حوالے کر دیا گیا۔ حکومت کی طرف سے مقرر کردہ آخری قاضی کے ایک بیٹے نے عیدگاہ کے انتظام کے اختیارات دوبارہ حاصل کرنے کے لیے عدالت میں مقدمہ دائر کیا۔ ستمبر ۱۹۹۳ء میں حکومت نے عیدگاہ کے انتظامی اختیارات اس کو منتقل کر دیے۔ علاقے کے عوام نے اس تبدیلی کی بالکل مخالفت نہیں کی بلکہ تاریخی روایات کی بحالی کے طور پر اس کا خیر مقدم کیا۔ بعد میں یہ معلوم ہوا کہ نیا قاضی بھی اس زمین پر رہائشی اور تجارتی تعمیرات کرنا چاہتا تھا اور اس سلسلے میں تعمیراتی کمپنیوں سے مذاکرات کر رہا تھا۔ قاضی سے ایسا نہ کرنے کی درخواست کرنے کے بعد، ایکشن کمیٹی کے اراکین نے اخبارات کے ذریعے علاقے کے مکینوں کو قاضی کے منصوبوں سے آگاہ کر دیا۔ علاقے کے لوگوں کو یہ علم ہے کہ اس سلسلے میں قانونی چارہ جوئی کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیوں کہ قاضی کے بااثر لوگوں سے تعلقات ہیں، لہٰذا انھوں نے عوامی رائے عامہ کے دباؤ کے ذریعے ابھی تک عیدگاہ کو کاروباری مقاصد کا نشانہ بنانے سے روکا ہوا ہے۔

لیاقت کالونی کا انہدام، ۱۹۹۹ء

لیاقت کالونی، کھڈہ مارکیٹ اور میمن سوسائٹی کراچی کے قدیم علاقے کی ایک آبادی کا حصہ ہیں جس کو دریاباد کہا جاتا تھا۔ سمندر کے قریب واقع ہونے کی وجہ سے اس کو یہ نام دیا گیا۔ ۱۸۵۰ء کے اوائل میں یہاں ماہی گیروں کی آبادیاں قائم ہونے لگیں۔ جلد ہی تعمیراتی منصوبوں پر کام کرنے والے مزدوروں کے خاندان بھی یہاں آ کر آباد ہونے لگے۔ علاقے کے لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کے بزرگ نیپیئر روڈ (حالیہ الطاف حسین روڈ) اور بندر روڈ (حالیہ ایم اے جناح روڈ) کی بیشتر اہم عمارتوں میں کام کرتے تھے۔ ایک ضعیف خاتون نے بتایا کہ انھوں نے ۱۹۲۷ء میں بغدادی پولیس اسٹیشن کی تعمیر میں مزدور کی حیثیت سے کام کیا تھا۔

تقسیمِ ہند کے بعد اپنے محلِ وقوع کے باعث دریاباد نے مہاجروں کی ایک بڑی تعداد کو اپنی طرف راغب کیا۔ اس کی وجہ سے علاقے کی سندھی اور بلوچ آبادی میں میمنوں اور مہاجروں کی ایک بڑی تعداد کا اضافہ ہو گیا۔ مہاجروں کی اس بڑی تعداد کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ۱۹۶۰ء کی دہائی میں غیر رسمی سیکٹر کے آبادکاروں نے یہاں رہائشی فلیٹ تعمیر کیے جس کی وجہ سے زمین کی قیمت میں اضافہ ہو گیا۔

۱۹۷۳ء میں لیاری کی آبادیوں کو باضابطہ بنانے کا عمل شروع ہوا اور اس مقصد کے لیے لیاری کو پولیس سیکٹروں میں تقسیم کر دیا گیا جس میں سے ایک لیاقت کالونی تھی۔ علاقے کے بزرگ شہریوں نے بتایا کہ باضابطہ بنانے کے سروے کے دوران ان کا اس علاقے کے صوبائی اسمبلی کے ممبر سے، جو کہ لیز کمیٹی کے رکن بھی تھے، ایک تنازعہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس تنازعے کی وجہ یہ تھی کہ یہ رکن اسمبلی علاقے میں خالی پلاٹوں کی ملکیت حاصل کرنا چاہتا تھا جس کے خلاف علاقے کے لوگوں نے مزاحمت کی۔ علاقے کے مکینوں کے مطابق، انتقام لینے کے لیے رکن اسمبلی نے آبادی کے ایک حصے کو سرکاری سہولتوں کے لیے مختص زمین قرار دلوا دیا، حالانکہ یہاں پر مکانات کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ اس وقت اس علاقے میں ۲۵۰ ایک منزلہ اور دو منزلہ مکانات ہیں جن میں سرکاری طور پر مہیا کردہ پانی، نکاسی اور بجلی کی سہولتیں ہیں اور کہیں کہیں گیس اور ٹیلیفون کے کنکشن بھی ہیں۔ تاہم چوں کہ یہ مکانات سرکاری سہولتوں کے لیے مختص کردہ زمین پر ہیں لہٰذا پچھلے ۳۱ سالوں سے ان کو پٹے کے حقوق دینے سے انکار کیا جا رہا ہے۔ تجارتی حلقوں کی طرف سے لیاقت کالونی اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں کو کاروباری

ایک عورت، جو ۱۹۹۸ء میں لیاقت کالونی کے انہدام کے نتیجے میں اپنے مکان سے محروم ہو گئی۔

اور تجارتی جائیدادوں میں تبدیل کرنے کے لیے سخت دباؤ ہے۔ ایک سماجی کارکن نے کہا، "حال ہی میں خالی ہونے والے ٹرکوں کے اڈے کی زمین کو عوامی سہولتوں کے بجائے تجارتی مقاصد کے لیے فروخت کیا جا رہا ہے۔ اور علاقے میں موجود واحد کھلے علاقے، کھیل کے پرانے میدان پر پچھلے پانچ سالوں سے قانون نافذ کرنے والے ادارے (رینجرز) نے قبضہ جمایا ہوا ہے۔" ۴۵۰ گھروں کے علاوہ یہاں گیارہ سرکاری اور نجی اسکول بھی ہیں اس کے علاوہ سٹیزن فاؤنڈیشن بھی اس کالونی میں ایک بڑا تعلیمی مرکز قائم کر رہی ہے۔

۱۹۹۸ء کے اوائل میں صوبائی اسمبلی کے ایک اور رکن نے علاقے میں اُس مقام پر جہاں ۴۵۰ مکانات واقع ہیں، ایک اسکول اور کھیل کا میدان تعمیر کرنے کے منصوبے کا اعلان کیا۔ اس منصوبے کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ ان مکانوں کو مسمار کر دیا جائے۔ ایک مقامی اسٹیٹ ایجنٹ کے مطابق یہ مکانات ۳۰۰۰۰ مربع گز کی جس زمین پر واقع ہیں اس کی قیمت بازار میں تقریباً ۴۵۰ ملین روپے ہے۔ اس کے علاوہ، یو آر سی کے تخمینے کے مطابق ان ۴۵۰ گھرانوں میں سے ہر ایک نے اپنے مکانات کی بتدریج تعمیر پر ۲۵۰،۰۰۰ روپے فی مکان خرچ کیے ہیں جن کی مجموعی رقم ۱۱۲.۵ ملین روپے بنتی ہے۔

لیاری کی ایک سماجی تنظیم لارڈز (LORDS) کلب کے ایک سروے کے مطابق لیاری میں گوداموں کی ایک بڑی تعداد قائم ہے جو ۱۴۰۰ ایکڑ زمین پر قائم ہیں۔ کے ایم سی نے ۱۹۶۰ اور ۱۹۷۰ کی دہائی میں ان کو لیز کے حقوق دیے اور اب علاقے کے مکینوں کے احتجاج کے باوجود ان کو توسیع بھی دی جا رہی ہے۔ یہ گودام علاقے میں ماحولیاتی آلودگی کی بہت بڑی وجہ ہیں۔ اس تنظیم کا کہنا ہے کہ اگر ان گوداموں کو سرکاری سہولتوں کی زمین میں تبدیل کر دیا جائے تو لیاری میں ایک مکان بھی منہدم کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

لائنز ایریا: پولیس لوگوں کو اپنے مکانات خالی کرنے پر مجبور کر رہی ہے تاکہ انہیں منہدم کیا جاسکے۔

جون ۱۹۹۸ء میں کے ایم سی کی انہدامی ٹیم پولیس کی مدد سے ان مکانات کو مسمار کرنے کے لیے آئی مگر مکینوں کی منظم مزاحمت کی وجہ سے انہدامی کارروائی معطل کر دی گئی۔ دریں اثنا محمد عثمان کی سربراہی میں علاقے کے لوگوں نے سیشن کورٹ کے ذریعے اس مسئلے کو حل کروانا چاہا مگر ناکامی ہونے کے بعد سندھ ہائی کورٹ سے رجوع کیا۔ انہدام کی کوشش ناکام ہونے کے بعد مکینوں کو حکومت کی طرف سے دھمکیاں ملنی شروع ہوگئیں۔ ان دھمکیوں کا مرکزی نشانہ محمد عثمان تھے جن کا خاندان ۱۸۵۵ء سے دریاباد میں مقیم ہے۔ آخرکار ۱۷ اکتوبر ۱۹۹۸ کو منہ اندھیرے ۲ بجے صبح، کے ایم سی کی انہدامی ٹیم پولیس اور رینجرز کے ساتھ وارد ہوئی اور ۳۰ مکانات اور ۱۵۰ دکانوں کو مسمار کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ مگر پھر مکینوں کی طرف سے بھرپور مزاحمت کے سبب اُن کو کارروائی روکنی پڑی۔

”حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کسی شخص نے کے ایم سی کی انہدامی ٹیم کو رات ۲ بجے کام کرنے پر کیوں کر آمادہ کرلیا۔ ہم سب یہ جانتے ہیں کہ کے ایم سی کا عملہ تو دن کے وقت بھی اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے سے جان چُراتا ہے!“

اس کارروائی میں عثمان کو اپنے مکان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ ان کے گھر والوں نے ایک قریبی گودام میں پناہ لی۔ حکومت کی دھمکیوں میں اضافہ ہونے کی وجہ سے وہ روپوش ہوگئے اور ۲۸ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو دل کا دورہ پڑنے سے ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کے دوستوں کا اصرار ہے کہ دل کے دورے کا سبب حکومت کی دھمکیوں کی وجہ سے پڑنے والا ذہنی دباؤ تھا۔

۶ نومبر ۱۹۹۸ء کو صوبائی اسمبلی کے رکن کی درخواست پر گورنر سندھ نے لیاقت کالونی کا دورہ کیا اور بے دخلی کے مقام پر ایک اسکول کی تعمیر کی افتتاح کیا۔ اس دورے کے بعد سارے علاقے میں انہدامی کارروائی کرنے کے انتظامات کو آخری شکل دے دی گئی۔ انہدامی کارروائیوں کا خاتمہ کرنے کے لیے علاقے کے سرگرم

ایک سیاسی رہنما انہدام کے بعد لیاقت کالونی کا دورہ کرتے ہوئے

کارکنوں نے سیاسی تنظیموں اور این جی اوز سے رابطہ کیا۔ یو آر سی نے لیاقت کالونی سے تمام ضروری معلومات جمع کرکے اپنے مقامی اور بین الاقوامی رابطوں کے ذریعے ایک اپیل شائع کی۔ جس کے جواب میں بے شمار مقامی اور بین الاقوامی این جی اوز اور عوامی تنظیموں نے وزیراعظم، گورنر اور سرکاری افسران کو اپنی اپیلیں بھیجیں۔ یو آر سی کی یہ اپیل اخبارات میں شائع ہوئی اور سیاسی تنظیموں نے اس کی حمایت میں بیانات دیے۔ ان تمام سرگرمیوں نے حکام کو مزید انہدامی کارروائیاں روکنے پر مجبور کردیا۔ تاہم، چوں کہ یہ تنازعہ ابھی تک طے نہیں ہوا ہے اس لیے اس آبادی کا مستقبل غیر یقینی ہے۔

رستم ذکری بلوچ گوٹھ، مئی ۱۹۹۹

اتوار، ۱۴ مارچ ۱۹۹۹ء کو رات کے ۱۱ بجے مقامی وڈیرے قادر بخش نے گوٹھ کے تمام لوگوں کو بلایا اور ان کو بتایا کہ گلستان جوہر پولیس اسٹیشن کا ایس ایچ او اس کو یہ بتانے آیا تھا کہ اگلے دن گوٹھ کو منہدم کردیا جائے گا۔ پیر ۱۵ مارچ ۱۹۹۹ء کو کے ڈی اے کے افسران ۵۰۰ پولیس والوں اور سب ڈویژنل مجسٹریٹ کے ساتھ آئے اور ایک مختصر وقت میں ۱۰۰ سے زیادہ مکانوں کو منہدم کردیا۔

یونیورسٹی روڈ پر جہاں گلستانِ جوہر کی اونچی اونچی عمارات ختم ہوتی ہیں، وہیں پر رستم ذکری بلوچ گوٹھ قائم ہے۔ اس گوٹھ کے ایک طرف پہاڑیاں اور دوسری طرف کراچی یونیورسٹی ہے، تیسری طرف پی آئی اے کے ایک رہائشی منصوبے کی زمین ہے اور چوتھی طرف شہوانی بلڈرز کا ایک تعمیراتی منصوبہ ہے۔

یہ گوٹھ کراچی کی قدیم آبادیوں میں سے ایک ہے اور وڈیرا نظام کے تحت ہے۔ اس کے قیام کی اصل تاریخ یہاں کے عمر رسیدہ لوگوں کو بھی معلوم نہیں ہے۔ رستم بابا نامی ایک ممتاز بزرگ شہری ۱۹۰۶ء سے اس علاقے کی تاریخ جانتا ہے۔ اُس کا خاندان جس زمین پر رہائش پذیر تھا وہ اب کراچی ایرپورٹ کے زیر استعمال ہے۔ اُس زمانے میں یہاں قریب رہنے والے چند برطانوی خاندانوں کے علاوہ تقریباً دس پندرہ گھرانے یہاں مقیم تھے۔ جب بھی کسی بلوچ گھرانے میں شادی یا کوئی اور تقریب ہوتی تھی تو ڈھول بجائے جاتے تھے اور موسیقی کی محفلیں ہفتہ بھر جاری رہتی تھیں۔ اس کی وجہ سے انگریز خاندان برہم ہوتے تھے اور انھوں نے گوٹھ والوں کو کہیں دور منتقل ہوجانے کے لیے کہا۔ لہٰذا گوٹھ والے اُس جگہ منتقل ہوگئے جہاں یہ اب موجود ہے۔ اس وقت یہ گوٹھ صرف ۱۲ ایکڑ زمین پر قائم تھا مگر مکینوں کی تعداد بڑھنے کے سبب گوٹھ کے رقبے میں اضافہ ہوا۔ یہاں کے مکینوں کا کہنا ہے کہ انھوں نے اپنے بڑوں سے سنا ہے کہ انگریزوں نے ۱۹۲۰ء میں صرف نو لاکھ روپے کی لاگت سے کراچی ایرپورٹ تعمیر کیا۔ انگریزوں نے ان لوگوں کو ایرپورٹ پر کام کرنے کے لیے کہا مگر وہ حکومت سے خوفزدہ تھے اس لیے انھوں نے وہاں کام کرنے سے انکار کردیا۔ ان کی آمدنی کا بنیادی ذریعہ قریب کی پہاڑیوں سے چٹانوں کی کٹائی تھا۔

یہاں پر بڑی مقدار میں چاک دستیاب تھا اس لیے ڈالمیا سیٹھ نے یہاں پر ڈالمیا سیمنٹ فیکٹری قائم کی اور ان لوگوں نے اس فیکٹری میں کام کرنا شروع

کر دیا۔ جب ایرپورٹ کی تعمیر مکمل ہوگئی تو انگریزوں نے گوٹھ کے لوگوں کو یہاں ملازمت کی دعوت دی۔ مگر صرف ایک آدمی، رستم تاجی، کام کرنے پر آمادہ ہوا۔ وہ ۴۰ روپے ماہانہ پر صفائی کا کام کرتا تھا۔ چٹانوں کی کٹائی کے کام میں اس کو صرف ۳۰ روپے ملتے تھے۔ یہاں ٹرانسپورٹ کا کوئی بندوبست نہ تھا اور لوگ عام طور سے پیدل سفر کرتے تھے۔ وہ صدر تک پیدل چلے جاتے تھے، جو شہر کا مرکزی بازار تھا۔ تقسیم ہند کے بعد جب کراچی یونیورسٹی کی تعمیر شروع ہوئی تو انھوں اس کی تعمیر میں بھرپور حصہ لیا۔ کے ڈی اے نے اس سے متصل علاقے کو اپنے زیر انتظام لے کر گلستان جوہر کا نام دیا۔

رستم گوٹھ کی ۲ ہزار آبادی صرف بلوچوں پر مشتمل ہے۔ زیادہ تر لوگ قریب کے علاقوں میں مزدوری کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ علاقے میں انجمن اتحاد نوجوان کے نام سے ایک عوامی تنظیم کام کر رہی ہے۔ اس انجمن کی کوششوں اور گوٹھ کے لوگوں کی طرف سے پیپلز پارٹی کی حمایت کی وجہ سے یہاں پانی، بجلی اور گیس کی سہولتوں کا بندوبست آسانی سے ہوگیا۔ علاقے کے لوگ ذکری عقیدہ کے ہیں۔ اُن کی عبادت گاہ گوٹھ کی حدود میں واقع ہے، اور ایک قبرستان بھی قریب ہی موجود ہے۔

یہ گوٹھ ۵۰۰ مکانوں پر مشتمل ہے اور ۱۵۵۴ ایکڑ پر واقع ہے۔ زیادہ تر مکانوں کی تعمیر میں کنکریٹ استعمال ہوا ہے اور یہ دو کمروں اور ایک صحن پر مشتمل ہیں۔ صحن کچا ہوتا ہے اور باورچی خانہ اور غسلخانہ اسی کا ایک حصہ ہوتے ہیں۔ اس گوٹھ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہاں پر زمین کی خرید و فروخت نہیں ہوتی۔ اگر یہاں کا کوئی مکین گوٹھ چھوڑ کر کہیں اور رہنا چاہے تو اس کو یہ حق ہے کہ وہ مکان پر اپنی ملکیت برقرار رکھتے ہوئے اُسے تالا لگا کر چلا جائے۔ تاہم، اگر وہ چاہے تو وڈیرے کی رضامندی سے اپنا مکان کسی کو عارضی طور پر استعمال کرنے کے لیے دے سکتا ہے۔ زیادہ تر مرد نجی اداروں میں مالی، مزدور، سیکورٹی گارڈ اور آفس بوائے کی حیثیت سے کام کرتے ہیں، جہاں ان کی ماہانہ آمدنی زیادہ سے زیادہ ۲ ہزار تک ہوتی ہے۔ اس لیے بیشتر لوگ دوسری ملازمت بھی کرتے ہیں، اور ان کی عورتیں بھی کام کرتی ہیں۔

نکاسی کے لیے ایک روایتی نظام قائم ہے اور لوگ اپنا کچرا خود جمع کر کے جلا دیتے ہیں۔ ۱۹۸۵ء میں یہاں ایک مسجد مدرسہ قائم ہوا جہاں تین استاد بچوں کو تعلیم دیتے ہیں۔ اس اسکول میں پانچویں جماعت تک تعلیم دی جاتی ہے اور اگر کوئی بچہ مزید پڑھنا چاہے تو اس کو ایرپورٹ کے قریب واقع ایک گورنمنٹ اسکول میں داخلہ لینا پڑتا ہے۔

رستم ذکری بلوچ گوٹھ کئی نسلوں سے وڈیرہ نظام کے تحت چل رہا ہے۔ یہ گوٹھ یہاں آباد ہونے والے سب سے پہلے وڈیرے کے نام پر قائم ہے۔ گوٹھ کے تنازعات کا فیصلہ ایک جرگہ کرتا ہے، کیوں کہ بیشتر لوگ وڈیرا نظام سے خوش نہیں ہیں۔ وڈیرے ہمیشہ یہاں ترقیاتی کاموں کی مخالفت کرتے ہیں۔ اگر کوئی یہاں مکان بنانا چاہے تو اسے وڈیرے کو ۵۰ روپے سے ۱۰۰ روپے تک دینے پڑتے ہیں۔

۱۹۸۵ء میں گوٹھ کے ساتھ ایک سڑک تعمیر کی گئی جو ایک طرف ایرپورٹ تک جاتی ہے اور دوسری طرف محکمۂ موسمیات تک۔ تین سال بعد یہاں ٹرانسپورٹ کی باقاعدہ آمد و رفت شروع ہوگئی۔ علاقے کے لوگوں کو اس سڑک کی وجہ سے سہولت حاصل ہے۔ گوٹھ میں پہلا فون ۱۹۹۰ء میں لگا۔ یہ

این جی اوز کی نمائندوں کی علاقے کی عورتوں سے ملاقات

تمام سہولتیں وڈیرے کو اندھیرے میں رکھتے ہوئے اور اُس کی لاعلمی میں حاصل کی گئیں ورنہ وہ ان کی سختی سے مخالفت کرتا۔ یہاں ترقیاتی سرگرمیوں کا آغاز اُس وقت ہوا جب کے ڈی اے نے درمیانہ آمدنی والے لوگوں کے لیے گلستان جوہر کی اسکیم شروع کرنے کے لیے زمین کا قبضہ حاصل کرنے کے بعد قبرستان کو منہدم کر دیا۔ پھر کے ڈی اے کے افسران نے گوٹھ کے لوگوں کو بے دخلی کی دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔

۱۵ مارچ ۱۹۹۹ء کو جب مرد کام پر گئے ہوئے تھے، پولیس نے یہاں اچانک ہلّہ بول دیا۔ خوفزدہ عورتوں اور بچوں کی تمام التجائیں بیکار گئیں۔ جب شور وغل بہت بڑھا تو برابر میں واقع پہلوان گوٹھ اور بھٹائی گوٹھ سے لوگ صورت حال معلوم کرنے آئے۔ اس وقت علاقے میں ایک سیاسی جماعت "تحریک انصاف" کا ایک عوامی اجتماع ہو رہا تھا۔ اس کے کارکن بھی پہنچ گئے۔ جب ان لوگوں نے احتجاج کیا تو پولیس نے ان کے خلاف آنسو گیس استعمال کی۔ اسی دوران قریب کے گوٹھوں کے لوگوں نے ایک پولیس وین کو نذر آتش کر دیا جس کے بعد پولیس نے ہوائی فائرنگ شروع کر دی اور ساتھ ساتھ انہدامی کارروائی بھی شروع ہو گئی۔

جب مرد کام سے واپس آئے تو اُن میں سے چار کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے بعد لوگ وڈیرہ قادر بخش کو بتانے گئے تو پتا چلا کہ وہ پچھلی رات کو فرار ہو گیا تھا۔ دو دن کی بھرپور کارروائی کے دوران ۲۵۰ مکانات اور علاقے کے اسکول کو مسمار کر دیا گیا۔ یہ کارروائی بغیر پیشگی اطلاع کے کی گئی لہٰذا لوگ کچھ بھی نہ بچا سکے۔ صرف ایک آدمی نے پولیس کو ۲۰۰ روپے رشوت دے کر اپنے گھر سے کچھ سامان نکال لیا۔ تعمیر کے اخراجات شامل کر کے گوٹھ والوں کو تقریباً ۵ ملین روپے کا نقصان ہوا۔

یہاں کے مکین اپنے آپ کو بے بس محسوس کر رہے تھے۔ چوں کہ تحریک انصاف کے کارکن پہلے دن ان کی مدد کے لیے آئے تھے لہٰذا وہ تنظیم کے دفتر گئے۔ تنظیم کے سربراہ عمران خان وہاں موجود نہیں تھے مگر ان کے نمائندوں نے مدد کی یقین دہانی کرائی۔ اس کے بعد ان لوگوں نے پریس کلب کے سامنے مظاہرہ کیا۔ جب یہ لوگ گوٹھ واپس پہنچے تو معلوم ہوا کہ ان کی غیر موجودگی میں مزید انہدامی کارروائیاں ہوئی ہیں۔ گوٹھ کے نوجوان غیظ وغضب سے بھرے ہوئے تھے اور کچھ کرنا چاہتے تھے مگر ایسا کرنے سے گرفتار شدہ لوگوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ انجمن نوجوانان کا سیکریٹری، اصغر بلوچ احتجاج میں شرکت کرنے کی وجہ سے پولیس کو مطلوب تھا لہٰذا انجمن عدالت سے رجوع کرنے سے قاصر تھی۔

اسی دوران وڈیرا قادر بخش کے رشتہ داروں نے گوٹھ کے مکینوں کو بتایا کہ وڈیرے نے اپنے وکیل علی نواز میمن کے ذریعے عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا ہے۔ یہ مقدمہ ابھی تک تصفیہ طلب ہے۔ سندھ ہائی کورٹ نے اپنا فیصلہ محفوظ رکھتے ہوئے حکم دیا ہے کہ عدالت کی طرف سے مقرر کردہ ایک شخص اس معاملے کی تحقیقات کر کے ایک مفصل رپورٹ پیش کرے۔ 'ناظر' کی یہ ذمہ داری شفیق مغل کے سپرد کی گئی جس نے ۳۱ مارچ ۱۹۹۹ء کو سندھ ہائی کورٹ میں اپنی رپورٹ پیش کی۔ گوٹھ کے مکینوں کا کہنا ہے کہ رپورٹ میں موجود کچھ حقائق غلط ہیں۔ اصغر بلوچ کا کہنا ہے کہ قادر بخش یہ مقدمہ لڑ رہا ہے اور انجمن کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ گرفتار شدہ افراد اپریل ۱۹۹۹ء کو ضمانت پر رہا ہو گئے۔ ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۹ء میں فوج کے اقتدار سنبھالنے کے بعد صورت حال تبدیل ہوئی۔ تا حال یعنی ۲۰۰۲ء کے وسط تک کے ڈی اے نے گوٹھ میں مزید انہدامی کارروائیاں نہیں کی ہیں۔

رستم ڈگری گوٹھ: ترقی کی خاطر ایک پرانے گاؤں کا انہدام

کے ڈی اے کے حکام نے گوٹھ والوں کو پیشکش کی کہ وہ ۱۱۶ ایکڑ زمین رہائش کے لیے استعمال کریں اور باقی اُن کے حوالے کر دیں۔ لوگ بالکل بے بس ہیں کیوں کہ وڈیرہ اس تجویز کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ ممکن ہے حکومت نے وڈیرے کو کچھ مفادات کی یقین دہانی کرائی ہو۔ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وڈیرا قادر بخش اور کے ڈی اے اس زمین کو تعمیراتی کمپنیوں کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔ گوٹھ کے بالکل برابر میں شاہوانی بلڈرز ایک بڑے تعمیراتی منصوبے پر کام کر رہے ہیں۔ تاہم، چوں کہ آج کل تعمیراتی صنعت پر زوال آیا ہوا ہے اس لیے لینڈ مافیا بھی خاموش ہے۔

کراچی میں تقریباً ۵ء۳ ملین لوگ کچی آبادیوں میں رہتے ہیں۔ تقریباً ۱ ملین مزید لوگ ایسی جگہوں پر پناہ لیتے ہیں جو "ڈینجر زون" کہلاتی ہیں، یعنی نہروں کے کنارے، ریلوے لائنوں کے ساتھ، ساحلی پٹیوں پر اور بجلی کے ہائی وولٹیج تاروں کے نیچے۔ موجودہ وقت میں ۵۰،۰۰۰ سے زائد مکانات خطرے کی زد میں ہیں۔ جس میں ریلوے کالونیوں کے ۳۶،۰۰۰ یونٹ اور لیاری ندی کے کنارے ۲۵،۰۰۰ یونٹ شامل ہیں۔ پاکستان ریلوے کے شدید مالیاتی مسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے ریلوے کے وزیر نے اس عظیم خسارے کے ازالے کے لیے ریلوے کی زمینوں کو جن پر آبادیاں قائم ہیں، حاصل کر کے تجارتی ترقیاتی منصوبوں کے لیے فروخت کر دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ پچھلے چھ مہینوں کے دوران دو بڑی ریلوے کالونیوں میں ۱۱۰۰ مکانات کو مسمار کیا گیا ہے جس میں سے کوئی مکان بھی سیفٹی زون میں نہیں تھا۔ ان گھروں کے مکینوں کو کوئی معاوضہ یا دوبارہ آبادکاری کی سہولت فراہم نہیں کی گئی۔ اس کے علاوہ حیدرآباد اور راولپنڈی میں قائم ریلوے کالونیوں میں بھی بڑے پیمانے پر انہدامی کارروائیاں کی گئی ہیں۔ اور صرف کراچی میں حکومت کا ارادہ مزید ۲۰،۰۰۰ مکانوں کو مسمار کرنے کا ہے۔ یو آر سی کی جانب سے منظم کردہ رہائشی حقوق کی تنظیموں کو خط لکھنے کی ایک مہم کے دوران دنیا بھر سے رہائشی حقوق کی تنظیموں نے پاکستان ریلوے اور دوسرے متعلقہ سرکاری اداروں پر خطوں کی بھرمار کر دی ہے۔ جس کی وجہ سے حکومت نے یقین دہانی کرائی ہے کہ جب تک ریلوے لائنوں کے ساتھ، نہروں کے کنارے اور دوسرے خطرناک مقامات پر قائم آبادیوں کی دوبارہ آبادکاری کا بندوبست نہ ہو جائے اس وقت تک مزید انہدامی کارروائیاں نہیں کی جائیں گی۔

جدول ۲ء۳۔ کراچی میں آگ سے تباہ ہونے والی جھونپڑیاں (چند حالیہ واقعات)

آبادی/علاقہ	تاریخ	جلنے والی جھگیوں کی تعداد	ہلاک/زخمی
کچی آبادی، نارتھ ناظم آباد	۹/۱/۹۷	۱۵۰	ایک شیر خوار ہلاک
خدا کی بستی، نیو کراچی	۳۰/۹/۹۷	۴۰	صفر
حسین پنہوار گوٹھ، ملیر	۱۲/۳/۹۷	۴۲	صفر
ایس ٹی۔۱۸ سیکٹر ۱۰، کورنگی	۵/۴/۹۷	۱۱	صفر
شیریں جناح کالونی	۱۰/۵/۹۷	۲۰	صفر
بلاک جی، نارتھ ناظم آباد	۱۶/۵/۹۷	۷۰	صفر
گٹیل کالونی، لانڈھی	۲/۹/۹۷	۲۵	صفر

گلشن جوہر	۳/۹/۹۷	۱	۲ نوعمر ہلاک
حسن منور گوٹھ ملیر	۴/۱۱/۹۷	۱	۴۵ سالہ شخص، نوعمر بیٹا اور بیٹی زندہ جل کر ہلاک ہو گئے
بھکاری کالونی، ۵-جی، نیو کراچی	۴/۱۲/۹۷	۱۲	صفر
افغان بستی، سہراب گوٹھ	۳/۱/۹۸	۵۰	صفر
بلاک بی، نارتھ ناظم آباد	۱۵/۳/۹۸	۲۰	صفر
بلاک جی، نارتھ ناظم آباد	۱۱/۴/۹۸	۲۰۰	صفر
دتیہ گوٹھ، ٹول پلازہ	۲۸/۱/۹۹	۰۶	۲ زخمی
نارتھ کراچی	۱۹/۳/۹۹	۰۹	۵ زخمی
ریڑی گوٹھ، داؤد چیٹی	۱۹/۳/۹۹	۱۰۰	۱۶ زخمی
افغان بستی سہراب گوٹھ	۲۷/۳/۹۹	۱۵۰	۲۳ زخمی
بنگالی پاڑہ، لانڈھی	۱۷/۱۱/۹۹	۱۵۰	۱۵ زخمی
سیکٹر ۲-بی، ٹاؤن کورنگی انفرزون	۴/۳/۰۰	۵۷	ایک نوعمر ہلاک، ۲ زخمی
گلستان جوہر	۱۱/۱۲/۰۰	۲۵	ایک نوعمر لڑکی زندہ جل گئی
داؤد گوٹھ، سعید آباد	۱۶/۳/۰۱	۳۰	ایک عورت زخمی
کورنگی انڈسٹریل ایریا	۳/۱۱/۰۱	۲۰	۷ زخمی: ۲ نوعمر اور ۳ عورتیں
جنوری ۱۹۹۷ء تا دسمبر ۲۰۰۱ء میں جلنے والی کل جھونپڑیوں		۱،۱۵۹	
نومبر ۱۹۹۵ء تا دسمبر ۱۹۹۶ء مجموعی واقعات		۲،۴۸۶ جھونپڑیاں	
نومبر ۱۹۹۵ء سے اب تک جل کر تباہ ہونے والی جھونپڑیاں کی کل تعداد		۳،۶۴۵ جھونپڑیاں	

(نوٹ: یہ صرف وہ واقعات ہیں جن کی رپورٹ کی گئی۔ ایسے بہت سے اور بھی واقعات ہو سکتے ہیں جن کی رپورٹ نہ کی گئی ہو۔

اس دوران یو آر سی، ریلوے کی زمینوں پر رہنے والے لوگوں کا تفصیلی سروے کرنے کے لیے ریلوے کالونیوں کے نیٹ ورک کے ساتھ کام کر رہی ہے۔

بچے آگ سے تباہ ہونے والی جھونپڑی کے فرش پر سکتے بیٹھے ہیں

آتش زدگی کے واقعات

یو آر سی ۱۹۹۵ء کے بعد سے کچی آبادیوں میں ہونے والے آتشزدگی کے واقعات کو بھی قلم بند کر رہی ہے۔ جنوری ۱۹۹۷ء کے بعد سے مختلف آبادیوں میں ۱،۱۵۹ جھونپڑیاں آگ سے جل کر تباہ ہوئی ہیں۔ جس کے نتیجے میں ۹،۱۸۵ سے زیادہ لوگ بے گھر ہو گئے۔ ان واقعات میں ۶ نوعمر بچے اور ایک ۳۵ سالہ آدمی زندہ جل کر ہلاک ہو گئے۔

ان واقعات کی دو بڑی وجوہات ہیں: ایک قدرتی اور دوسرے انسانی یعنی منصوبہ بندی کے تحت۔ منصوبہ بندی والے واقعات میں لینڈ مافیا ملوث ہے۔ ان واقعات کی طرف توجہ مبذول کرانے کے لیے یو آر سی پریس، این جی اوز اور سرکاری ایجنسیوں کو حقائق اور اعداد و شمار پر مبنی رپورٹیں فراہم کر رہی ہے۔

یو آر سی کچی آبادیوں میں آتشزدگی کے واقعات کو قلم بند کرتی ہے اور ان کی وجوہات کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہے۔ (دیکھیں جدول ۲،۳)

بے دخلیوں اور آتشزدگی سے متاثر ہونے والے مکانات مکینوں کی زندگی بھر کا اثاثہ تھے جن کو لوگوں نے بتدریج تعمیر کیا تھا۔ ان مکانوں میں مکینوں کی اوسط تعداد ۱۰ افراد فی مکان تھی۔ اوسطاً ان مکانوں میں دو کمرے، ایک بیت الخلا، اور ایک کھلا علاقہ صحن اور باورچی خانے کے لیے تھا۔ ان مکانوں کا اوسط رقبہ ۸۰ مربع گز تھا۔ زمین کی تعمیر اور ابتدائی ڈھانچے کی لاگت ۱۰۰،۰۰۰ روپے سے کم نہ تھی۔

واقعاتی مطالعہ

رحمان آباد، ۱۹۶۳ء

۱۹۷۰ء کی دہائی میں فیڈرل بی ایریا بلاک ۵، عائشہ منزل کے پیچھے، رحمان آباد کے نام سے ایک کچی آبادی قائم ہوئی۔ یہ آبادی ۴۰۰ گز، ۶۰۰ گز اور ۱۰۰۰ گز کے بنگلوں کے درمیان واقع تھی۔ آبادی کے مکینوں نے جن کا تعلق کم آمدنی والے طبقے سے تھا اپنے محدود وسائل کو استعمال کرتے ہوئے رفتہ رفتہ کچے پکے مکانات تعمیر کر لیے تھے۔ یہاں کے بیشتر مکین دہاڑی پر کام کرتے تھے اور ان میں فیکٹریوں میں مزدوری کرنے والے، ردی جمع کرنے والے اور ٹھیلے والے شامل تھے۔ عورتیں لوگوں کے گھروں میں کام کرتی تھیں۔ رحمان آباد کی ۱۰،۰۰۰ کی آبادی میں ۸۰ فیصد بنگالی تھے اور باقی پنجابی اور پٹھان۔ سندھ کچی آبادی اتھارٹی (SKAA) کے جنوری ۱۹۹۲ء کے ایک اعلامیے کے مطابق رحمان آباد کو ۱۹۸۷ء کے ایکٹ کے مطابق باضابطہ بنایا جانا تھا۔ مگر اس سے پہلے کہ مکین لیز کے حقوق

حاصل کر پاتے، ان کی آبادی منہدم کر دی گئی۔

مکینوں کے مطابق فروری ۱۹۹۲ء سے کافی پہلے سے قانون سازی کے اعلیٰ ادارے سینیٹ کے رکن نے، جو کہ ایک با اثر بلڈر کا بیٹا تھا اور اس کے با اثر سیاسی شخصیات سے بھی تعلقات تھے، رحمان آباد میں رہنے والے لوگوں کو زمین خالی کرنے کے لیے کہنا اور ہراساں کرنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد بغیر کسی پیشگی اطلاع کے سینیٹر نے اپنے غنڈوں کی مدد سے کالونی میں آمد و رفت کے پانچ راستوں پر دیواریں تعمیر کرا دیں۔ اس کے بعد کالونی میں آنے جانے کا صرف ایک راستہ رہ گیا جس کی وجہ سے لوگوں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان لوگوں پر زمین خالی کرنے کے لیے سخت دباؤ ڈالا جا رہا تھا۔

سینیٹر سے کی گئی متعدد اپیلوں میں ناکامی کے بعد لوگوں نے عدالت سے رجوع کیا اور ایک عدالتی حکم نامہ لینے میں کامیاب ہو گئے جس کی رو سے انھیں وہاں رہنے کی اجازت مل گئی۔ سینیٹر کا کہنا تھا کہ ان لوگوں نے زمین پر غیر قانونی قبضہ کیا ہوا ہے اس لیے انھیں اس کو خالی کر دینا چاہیے۔ اُس نے دعویٰ کیا کہ یہ زمین عوامی رفاہی پلاٹ کے طور پر مختص کی گئی تھی اور یہاں پر ایک پارک کی تعمیر ہونی تھی۔ تاہم اس دعوے کے حق میں کوئی دستاویزی ثبوت نہیں پیش کیا گیا۔

فروری ۱۹۹۲ء کے اوائل میں سینیٹر نے لوگوں کو زمین خالی کرنے کے لیے زبانی نوٹس دے دیا۔ عدالتی حکم نامے کی رو سے یہ لوگ ۲۳ فروری ۱۹۹۲ تک یہاں رہ سکتے تھے لہٰذا انھوں نے اس وقت زمین خالی کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد علاقے کے ڈپٹی کمشنر نے انھیں ایک معاہدے پر دستخط کرنے کے لیے کہا جس کے تحت انھیں دوبارہ آبادکاری کے لیے بلدیہ ٹاؤن شپ میں پلاٹ دینے کا وعدہ کیا گیا۔ بلدیہ ٹاؤن شپ میں پانی اور بجلی کی سہولتیں نہ تھیں اس لیے لوگ وہاں منتقل نہیں ہونا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ بیشتر لوگ آس پاس کے علاقوں میں سخت مزدوری کرتے تھے اور بلدیہ ان کے کام کی جگہ سے بہت دور تھا۔

عدالتی حکم نامے کی بنیاد ختم ہونے سے ایک دن پہلے ۲۳ فروری کو کے ایم سی کے بلڈوزر پولیس کے ہمراہ علاقے میں پہنچے۔ پولیس نے نہتے لوگوں پر فائرنگ شروع کر دی جس کے نتیجے میں ایک شخص ہلاک اور بے شمار زخمی ہو گئے۔ اطلاعات کے مطابق ۲۵ عورتوں کی اجتماعی آبرو ریزی کی گئی اور لوگوں کے مطابق پولیس نے گھروں میں لوٹ مار کی۔ مکینوں کے مطابق ایسا صرف اس لیے ہوا کہ وہ بنگالی تھے اور انھیں کسی سیاسی گروپ یا پارٹی کی حمایت حاصل نہیں تھی۔ علاقے کے مکینوں کی اپیل پر عدالتی حکم امتناعی کی ۲۷ فروری تک توسیع کر دی گئی۔ مگر اس کا کوئی فائدہ نہ تھا کیوں کہ یہ آبادی پہلے ہی ملبے کا ڈھیر بن چکی تھی۔ بائیس سال کے عرصے میں دکانوں اور مکانوں پر کی گئی ۲۰۰ ملین روپے کی سرمایہ کاری، دو دنوں میں ملبے کا ڈھیر بن گئی۔

انسانی حقوق کی تنظیموں، خواتین کی تنظیموں، این جی اوز اور دوسری سماجی تنظیموں نے رحمان آباد میں ہونے والے اس المناک واقعے پر احتجاجی بیانات دیے۔ مگر آبادی کے مکین اس معاملے میں مزید کسی کارروائی کے لیے کوشش نہیں کرنا چاہتے تھے کیونکہ انھیں حکومت اور نظام انصاف پر کوئی اعتماد نہیں تھا۔ علاوہ اس کے، انہدامی کارروائی کے بعد ان لوگوں کے لیے اکٹھا ہونا بہت مشکل ہو گیا کیونکہ یہ شہر بھر میں بکھرے ہوئے اپنی بقا کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔ اس انہدامی کارروائی کے نتیجے میں بہت سارے لوگ بے روزگار ہو گئے تھے۔

رحمان آباد کے ۲۰ فیصد لوگوں کو بلدیہ ٹاؤن میں ۶۰ گز پلاٹ دیے گئے۔ باقی لوگ رحمان آبادی کے علاقے میں زمین کا ایک قطعہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور دوبارہ جھگیاں تعمیر کر لیں۔ بلڈر اور سینیٹر اس سلسلے میں کچھ کرنے میں اس لیے کامیاب نہ ہو سکے کہ رحمان آباد کا معاملہ پریس میں بہت تشہیر پا چکا تھا۔ جن لوگوں کو بلدیہ میں پلاٹ ملے تھے وہ اس علاقے کے کونسلر کے ہاتھ یہ پلاٹ بیچ کر واپس رحمان آباد کے علاقے میں آ گئے۔

مکینوں کو اپنی جھگیاں دوبارہ تعمیر کرنے میں دو سال لگے۔ مگر ۹ دسمبر ۱۹۹۳ کو ایک سرد رات کو اس آبادی میں آگ لگ گئی اور ۶۰۰ جھگیاں جل کر خاک ہو گئیں، اور تقریباً ۱۰۰۰ لوگ دوبارہ بے گھر ہو گئے۔ لوگوں کے مطابق چند مشتبہ لوگوں نے آبادی میں آ کر جھگیوں پر آتش گیر مادہ پھینکا جس کی وجہ سے آگ لگ گئی۔ بہت ساری عورتیں، بچے اور ضعیف لوگ زخمی ہو گئے۔ کوئی اور چارہ نہ ہوتے ہوئے لوگوں نے اسی مقام پر دوبارہ جھگیاں تعمیر کیں۔

تاہم، یہ ان کے مسائل کا اختتام نہیں تھا۔ ۲۹ جنوری ۱۹۹۶ء میں اس آبادی میں ایک دفعہ پھر آگ لگ گئی اور ۲۰۰ جھگیاں اس کا شکار ہو گئیں۔ اس دفعہ یہ زیادہ ہلاکت خیز تھی، ایک نوعمر بچہ ہلاک اور ۱۱۹۰ افراد زخمی ہو گئے۔ آگ کا نشانہ بننے والی جھگیاں دوبارہ تعمیر کر لی گئی ہیں۔ مگر لوگ متبادل جگہ کی تلاش شروع کر چکے ہیں کیوں کہ رحمان آباد کا مستقبل بہت غیر یقینی نظر آتا ہے۔

۴

بے دخلیوں کی مختلف اقسام

ترقیاتی کارروائیوں کے نام پر بڑی تعداد میں بے دخلیاں عمل میں آتی ہیں۔ یہ بنیادی ترقیاتی ڈھانچے سے متعلق منصوبوں یعنی، فلائی اوور کی تعمیر، ذرائع نقل و حمل کے نظام، شہری خوبصورتی کے پروگراموں کی وجہ سے یا زمین کی ملکیت کے تنازعے کی وجہ سے عمل میں لائی جاتی ہیں۔ کراچی میں کی جانے والی اکثر بے دخلیوں کے ذمہ دار، کے ایم سی، کے ڈی اے، ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی، کنٹونمنٹ بورڈ، سول ایوی ایشن اتھارٹی، پاکستان ریلوے، پولیس، بلڈرز اور لینڈ مافیا ہیں۔

تمام ترقیاتی منصوبوں کے لیے ضروری ہے کہ ان کے نتیجے میں بے گھر ہونے والے متاثرین کو متبادل زمین فراہم کی جائے اور معاوضہ دیا جائے۔ بے دخلی کے تمام واقعات میں، جن میں اوپر درج کیے گئے ادارے ملوث ہیں، لوگوں کو کوئی معاوضہ نہیں دیا گیا۔ دس فیصد سے بھی کم متاثرہ خاندانوں کو متبادل پلاٹ دینے کا اعلان کیا گیا، اور اس میں سے بھی ۵۰ فیصد سے زیادہ پلاٹ جعلی درخواست گزاروں (سیاسی کارکنان اور پولیس) کو دے دیے گئے۔ یہ پلاٹ لوگوں کے کام کی جگہوں سے بہت دور واقع تھے اور یہاں پانی، بجلی اور ٹرانسپورٹ جیسی سہولتیں بھی نہ تھیں۔ بالآخر لوگ یہ پلاٹ بیچ کر اپنے کام کی جگہوں سے قریب دوسری کچی آبادیوں میں منتقل ہو گئے۔

تقریباً تمام مواقع پر متاثرہ خاندانوں کو کوئی پیشگی اطلاع نہیں دی گئی۔ عام طور سے کارروائی سے ایک یا دو گھنٹے پہلے پولیس مائیکروفون پر اعلان کر دیتی تھی۔ اور یہ کارروائیاں ایسے دنوں اور اوقات میں کی جاتیں جب مرد کام پر گئے ہوئے ہوں۔ انہدامی ٹیمیں ۱۰-۲۰ پولیس موبائیلوں کی ہمراہی میں آتی تھیں۔ بجائے مزاحمت کے عورتیں اپنے گھروں کا جو بھی سامان بچا سکتیں بچانے کی کوشش کرتیں۔ اکثر مواقع پر پولیس گھروں میں لوٹ مار بھی کرتی تھی۔

کچھ مواقع پر (مثلاً رحمان آباد، لیاری ندی، للی برج، زمرد کالونی، صدیق بروہی گوٹھ میں) عدالت کی طرف سے جاری حکم امتناعی کو بھی خاطر میں نہ لایا گیا۔ لیاری ندی میں جب لوگوں نے انہدامی ٹیم کے سربراہ کو حکم امتناعی دکھایا تو اس نے پڑھے بغیر اس کو پرزے پرزے کر دیا۔ ایک اخباری بیان میں کے ایم سی نے کہا کہ غیر قانونی آبادیوں کو پیشگی اطلاع دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ شہری ایجنسیاں اپنے سرکاری بیانات میں ان آبادیوں کو ''تجاوزات'' کہتی ہیں اور اپنے اقدامات کا ''انسداد تجاوزات کی مہم'' کہہ کر دفاع کرتی ہیں۔

بلڈروں اور لینڈ مافیا کی ایک مضبوط لابی کچی آبادیوں کو شہر کے ''بدنما داغ'' قرار دیتی ہے۔ یہ لابی ان بدنما داغوں کا دوہرا فائدہ اٹھاتی ہے۔ پہلے یہ کچی آبادیوں کے درمیان یا قریب بہت کم قیمتوں پر زمین خرید لیتے ہیں۔ پھر یہ زمین کی قیمت بڑھانے کے لیے متعلقہ حکام کو اس زمین کو ناجائز تجاوزات قرار دینے کے لیے رشوت دیتے ہیں۔ ایسی زمینوں سے کچی آبادیوں کو ہٹانے سے ان کی قیمت ۱۰ فیصد سے ۱۰۰ فیصد تک بڑھ جاتی ہے۔ لیاری ایکسپریس وے کے منصوبے سے یہ بات ظاہر ہے جہاں یہ لابی ۲۰،۰۰۰ سے زائد رہائشی یونٹوں کے انہدام پر زور دے رہی ہے۔ لیاری ندی جو اب ایک گندے

نالے کی شکل اختیار کر گئی ہے، شہر کے درمیان سے گزرتی ہے۔ اس وقت لیاری ندی میں زمین کی قیمت ۵۰۰ سے ۱۰۰۰ روپے مربع گز تک ہے۔ مگر کچی آبادیوں کے خاتمے کے بعد اسی زمین کی قیمت ۵۰،۰۰۰ روپے مربع گز تک پہنچ جانے کی توقع ہے۔ رحمان آباد، غوثیہ کالونی اور بہت دوسری آبادیوں کا انہدام انہی وجوہات سے ہوا ہے۔

بلڈرز کے اکسانے پر ہونے والی بے دخلیاں

بلڈرز اور دوسرے زمین ہتھیانے والے گروہوں کو سیاستدانوں اور نوکر شاہی کی پشت پناہی حاصل ہونے کی وجہ سے بھی بے دخلیاں ہوتی ہیں۔ اس پشت پناہی کی وجہ سے ریکارڈ میں ردوبدل، زمین کے ریکارڈ میں نئے اندراجات کرنے سے انکار اور فائلوں کی چوری اور زمین پر قبضے کے تنازے اور کم آمدنی والی آبادیوں پر پولیس کا دباؤ ممکن ہوتا ہے۔ ایسا اکثر اوقات ان علاقوں میں ہوتا ہے جہاں تجارتی تعمیرات کرنا منافع بخش ہو۔

ناقص منصوبہ بندی کی وجہ سے ہونے والی بے دخلیاں

ناقص منصوبہ بندی سے ہونے والی شہری تعمیر تو بھی بے دخلیوں کی ایک وجہ ہے۔ مثال کے طور پر گودھرا کالونی، نیو کراچی کے مکینوں کو ۱۹۹۹ء میں سڑکوں کی توسیع کرنے کے لیے، بے دخل کر دیا گیا تھا۔ اس علاقے میں سڑکوں کی توسیع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور اس وقت سے لے کر اب تک وسیع کی ہوئی سڑکوں کو پختہ بھی نہیں کیا گیا ہے۔

بیشتر مواقع پر بے دخلی کے بعد، چاہے وہ سرکاری سہولتوں کے لیے مختص زمین سے ہو، خطرناک زون سے، سرکاری یا نجی زمین سے ہو، ان زمینوں پر رہائشی عمارتیں یا تجارتی مراکز تعمیر ہو جاتے ہیں۔ اکا دکا جگہوں پر پل یا سڑکیں تعمیر کی گئیں۔ کچھ جگہوں پر بے دخل ہونے والے لوگوں نے زمین پر دوبارہ قبضہ کر کے مکانات تعمیر کر لیے۔

مکینوں کی لاعلمی کی وجہ سے ہونے والے بے دخلیاں

نامکمل قانونی احکامات پر جانبداری سے عملدرآمد کرنے کی وجہ سے بھی بے دخلیاں ہوتی ہیں۔ اکثر مکین قانونی مدد نہ ہونے اور ملکیت کے نامکمل کاغذات ہونے کی وجہ سے مقدمات ہار جاتے ہیں۔ اس طرح کے مقدمات کا فیصلہ ہونے کے بعد سرکاری ایجنسیاں بغیر ضروری قانونی ضابطے پورا کیے آبادیوں پر حملہ کر دیتی ہیں۔

مجوزہ لیاری ایکسپریس وے کی وجہ سے بے گھر ہونے والے

کسی بھی بڑے شہر کی طرح کراچی میں بھی حکومت نے کئی عظیم الشان تعمیراتی منصوبے بنائے۔ ان میں سے ایک لیاری ایکسپریس وے ہے۔ ۱۶.۵ کلومیٹر لمبی یہ شاہراہ لیاری ندی کے کناروں پر، بندرگاہ سے شہر کے دوسرے کنارے تک بھاری ٹرانسپورٹ گاڑیوں کے لیے ایک تیز رفتار گزرگاہ ہوگی۔

لیاری ایکسپریس وے کی تعمیر کی ابتدا جون ۱۹۹۶ء میں ہوئی تھی مگر مالیاتی مسائل اور متاثرہ خاندانوں کی طرف سے مزاحمت کی وجہ سے حکومت یہ منصوبہ شروع کرنے میں ناکام رہی۔ اس علاقے میں رہنے والے لوگوں اور عوام کے نمائندوں کے مسلسل تقاضوں کے باوجود حکومت نے اس منصوبے کے بارے میں تفصیلات جاری نہیں کی ہیں۔ مقامی حکام بھی اس منصوبے سے متاثر ہونے والوں کی صحیح تعداد کا اظہار کرنے سے قاصر ہیں۔ متاثرہ علاقوں سے تعلق رکھنے والی ۴۵ مقامی تنظیموں نے مل کر لیاری ندی ویلفیئر ایسوسی ایشن (LNWA) بنائی اور متعلقہ حکام سے اس معاملے پر گفت وشنید کرنے کی کوشش کی۔ ابتدا میں انھیں منفی ردعمل کا سامنا کرنا پڑا۔ یو آر سی نے لیاری ندی ویلفیئر ایسوسی ایشن کو تکنیکی معلومات فراہم کیں، جن میں دو قابل عمل متبادل منصوبے بھی شامل تھے۔ ۱۹۹۵ء میں لیاری ندی ویلفیئر ایسوسی ایشن نے یہ دستاویزات وزیر اعظم، وزیر اعلیٰ اور دوسرے متعلقہ حکام کو بھیجیں۔ اس کے بعد ایسوسی ایشن نے وزیر اعلیٰ اور کے ایم سی کے ایڈمنسٹریٹر سے ملاقات کی اور مندرجہ ذیل تجاویز پیش کیں:

(۱) متبادل تجاویز پر غور کیا جائے، مثلاً شمالی بائی پاس جو کہ زیادہ قابل عمل اور کم خرچ ہے، اور اس میں کسی کو بے دخل بھی نہیں کرنا پڑے گا۔

(۲) حکومت منصوبے پر عمل درآمد سے پہلے اس کی تمام تفصیلات ظاہر کرے تا کہ لوگوں کی رائے معلوم کی جاسکے۔

(۳) حکومت مجوزہ منصوبے کے تحت منہدم کیے جانے والے مکانوں کی صحیح تعداد ظاہر کرے۔

(۴) اگر یہ منصوبہ شہر کے وسیع تر مفاد کے لیے ضروری ہے تو صرف اُن مکانوں کو منہدم کیا جائے جو ایکسپریس وے کے راستے میں آتے ہیں۔

(۵) ضرورت سے زائد جگہ حاصل کرنے کے لیے مکانوں کو منہدم نہ کیا جائے۔

(۶) بے دخل کیے جانے والوں کو انہدامی کارروائی سے کم از کم چھ مہینے پہلے متبادل زمین اور معاوضہ دیا جائے۔

۱۹۹۳ میں یو آر سی نے اس موضوع پر ایک فورم منعقد کیا اور ایک مجموعہ دستاویزات بھی مرتب کیا۔ ندی کے ساتھ رہنے والوں سے رابطہ کر کے اُن کو حکومت کے منصوبے اور ممکنہ مندرجہ ذیل اثرات سے آگاہ کیا گیا:

(۱) ندی کے کناروں کے ساتھ بڑی تعداد میں بے دخلیاں۔

(۲) گاڑیوں کی آمد ورفت میں اضافے کی وجہ سے دھوئیں اور شور وغل میں اضافہ۔

(۳) گاڑیوں کی نقل وحرکت میں اضافے کی وجہ سے پہلے سے انتہائی مصروف علاقے میں مزید بھیڑ بھاڑ۔

(۴) کھلے علاقے تجارتی علاقوں میں تبدیل ہو جائیں گے جس کی وجہ سے علاقے کے مکینوں کے لیے تفریحی سہولتوں میں کمی ہو جائے گی۔

(۵) چونکہ ایکسپریس وے زیادہ تر اشیا کی نقل وحمل کے لیے استعمال ہوگا اس کی وجہ سے

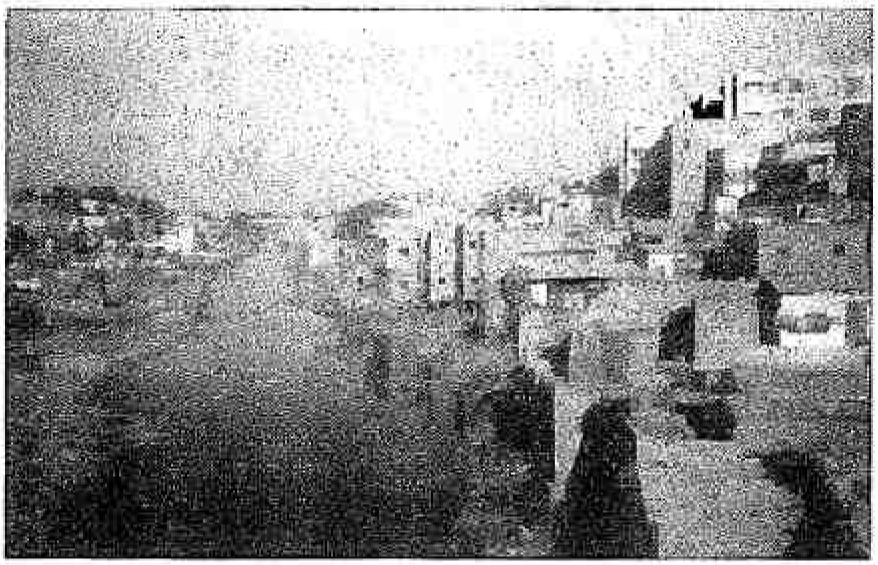

لیاری ندی کے کناروں پر واقع کچی آبادیاں

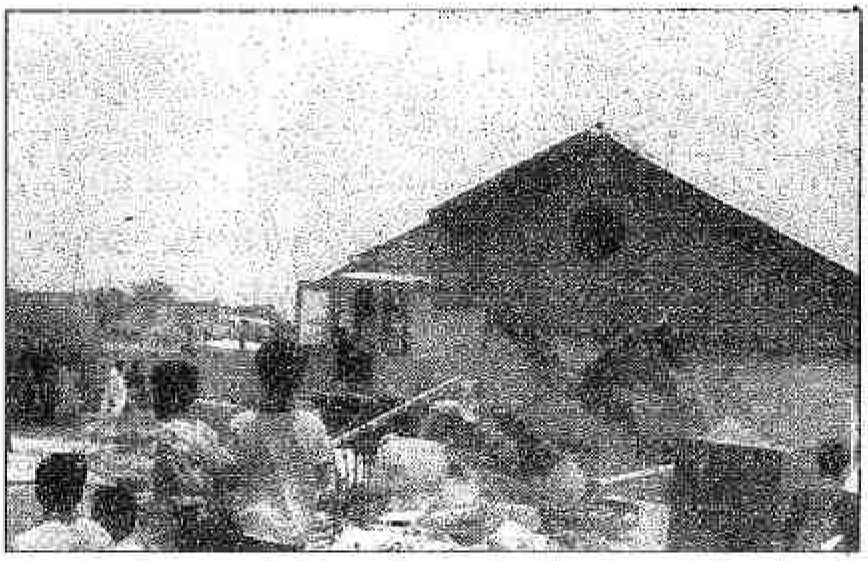

لائنز ایریا میں مکانوں کا انہدام

بندرگاہ کے قریب کے علاقوں میں گوداموں کی تعداد میں اضافہ ہوگا۔

یو آر سی نے ندی کے کنارے پر آباد لوگوں سے رابطہ کیا اور لیاری ندی ویلفیئر ایسوسی ایشن کے عہدے داروں سے، جو کہ ۴۶ محلوں کی نمائندگی کرتے ہیں، ملاقات کی۔ ایسوسی ایشن نے حکومت اور سیاستدانوں کو ایکسپریس وے کے منفی اثرات کے بارے میں ایک اپیل بھی بھیجی تھی۔ دوبارہ آبادکاری کا مناسب بندوبست نہ ہونے اور جبری بے دخلی کے خطرے کے باعث لیاری ندی ویلفیئر ایسوسی ایشن نے اس منصوبے کی مخالفت کی۔ حزب مخالف کے سیاستدانوں نے بھی اُن کی حمایت کی۔

جون ۱۹۹۵ء میں یو آر سی نے لیاری ندی ویلفیئر ایسوسی ایشن اور دو شہری منصوبہ سازوں کے درمیان ایک میٹنگ کرائی۔ بات چیت کے بعد منصوبہ سازوں نے لیاری ندی ویلفیئر ایسوسی ایشن کو لاگت کے تخمینے کے ساتھ دو متبادل منصوبے بنا کر دیے۔ یو آر سی نے متبادل منصوبوں، سروے کے نتائج، اور تصویروں پر مشتمل ایک مربوط دستاویز تیار کرنے میں مدد فراہم کی۔

لیاری ندی ویلفیئر ایسوسی ایشن نے یہ متبادل منصوبہ صوبے کے وزیر اعلیٰ، کے ایم سی کے ایڈمنسٹریٹر اور منصوبہ سازی میں شامل سرکاری اور ایجنسیوں کو بھیجے۔ فنی مشاورت اور مدد حاصل ہونے سے ایسوسی ایشن کی کوششوں کو تقویت پہنچی اور حکومت نے ان متبادل منصوبوں کو منسوخ کر کے ایسوسی ایشن کے پیش کردہ منصوبوں پر کام شروع کر دیا۔

ریاستی طاقت: لیاری میں پولیس کے دستوں کی حفاظت میں ابتدائی کارروائی

جون ۲۰۰۱ میں فوجی حکومت نے نئی صوبائی اور شہری حکومت قائم کرنے کے بعد ایکسپریس وے کے منصوبے پر دوبارہ کام شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ لہٰذا لیاری ندی ویلفیئر ایسوسی ایشن نے اس کے خلاف اپنی مہم دوبارہ شروع کر دی۔ این جی اوز کی ایک بڑی تعداد نے لیاری ندی ویلفیئر ایسوسی

ایشن کی حمایت جاری رکھی اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ متبادل منصوبے پر عمل کرے تاکہ لوگوں کو بے دخل نہ ہونا پڑے۔ اور یہ منصوبے ماحولیاتی اعتبار سے اچھے اور شہر کی معاشی ترقی کے لیے فائدہ مند ہیں۔

دوبارہ آبادکاری کے نام پر ہونے والی بے دخلیاں

۱۹۷۳ء۔ ۱۹۸۵ء کے درمیان لائنز ایریا ری ڈویلپمنٹ پلان (LARP) کے نام پر بڑی انہدامی کارروائیاں ہوئیں اور ۴۲۰۰ مکانات منہدم کر دیے گئے۔ تمام متاثرین کو متبادل پلاٹ دیے جانے تھے۔ اس منصوبے کا مقصد یہ تھا کہ علاقے میں موجود غیر قانونی آبادیوں کے رہنے والوں کی دوبارہ آبادکاری کی جائے اور پریڈی اسٹریٹ اور شاہراہ قائدین کو ملانے والے سڑک تعمیر کی جائے۔ متاثرین کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا: درجہ اے یعنی ۱۹۷۳ء سے پہلے آباد ہونے والوں کو لائنز ایریا میں ۳۵ مربع گز کے پلاٹ دیے جاتے تھے، درجہ بی یعنی ۱۹۷۳ء کے بعد آباد ہونے والوں کو کورنگی اور سرجانی ٹاؤن میں ۶۰ مربع گز کے پلاٹ دیے جانے تھے، درجہ سی یعنی تجارتی پلاٹوں کے مالکوں کو اسی علاقے میں ۱۰،۹، اور ۲۵ مربع گز کے پلاٹ دیے جانے تھے۔ ۱۹۸۷ء تک صرف ۳۰ فیصد کام مکمل ہوا تھا۔ اُس کے بعد کام آہستہ ہوتے ہوتے ۱۹۹۳ء میں مالیاتی مسائل اور عوامی حمایت نہ ہونے کی وجہ سے بالکل رُک گیا۔ مکینوں کے مطابق، متاثرین کے بجائے سیاسی کارکنوں کو پلاٹ دیے گئے جن میں سے کچھ کے اس علاقے میں مکانات بھی نہیں تھے، اور بعض لوگوں نے ایک سے زیادہ پلاٹ بھی حاصل کر لیے۔ ری ڈویلپمنٹ پراجیکٹ کے ایک رُکن نے اس بات کا انکشاف کیا کہ ۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۲ء کے درمیان علاقے کے کونسلروں نے ری ڈویلپمنٹ پراجیکٹ کے نام پر جعلی کلیموں پر تقریباً ۲۰۰۰ پلاٹ الاٹ کیے۔ اس کے علاوہ کونسلروں نے مستحق مکینوں کی درخواستوں میں ردوبدل کر کے جعلی کلیم جمع کرانے والوں کو سرجانی ٹاؤن اور کورنگی میں پلاٹ دیے۔ ری ڈویلپمنٹ پراجیکٹ کے پروجیکٹ ڈائریکٹر کے مطابق، ۱۹۹۳ء تک ۱۲۷۰ ایکڑ میں سے صرف ۱۱۵۰ ایکڑ زمین پر ترقیاتی کام ہوا، اور ۳۰۰۰ پلاٹ درجہ اے میں اور ۵۰۰۰ پلاٹ درجہ بی میں دیے گئے۔

لائنز ایریا: ۴،۲۲۰ مکانات مسمار کر دیے گئے

انہدامی کارروائی ۱۹۹۶ء میں شروع ہوئی، مگر مکینوں کی طرف سے شدید مزاحمت کے بعد روک دی گئی۔ اس کے بعد سے یہاں کوئی ترقیاتی کام نہیں ہوا ہے۔ بیشتر مکین دوبارہ آبادکاری کے منصوبے سے خوش نہیں ہیں اور انھوں نے مطالبہ کیا ہے کہ:

(۱) جعلی الاٹمنٹوں کو فوری طور پر منسوخ کیا جائے۔

(۲) حکومت کی طرف سے ہونے والی تعمیراتی کارروائی کے لیے معاوضہ دیا جائے۔

(۳) متبادل پلاٹوں کی الاٹمنٹ انہدامی کارروائی سے کم از کم ۶ مہینہ پہلے ہونی چاہیے تاکہ لوگ مکانات تعمیر کر سکیں۔

(۴) لائنز ایریا میں زمین کی قیمتیں کافی زیادہ ہیں لہٰذا معاوضہ اُسی حساب سے دیا جائے۔

واقعاتی مطالعہ

شہباز گوٹھ، ١٩٩٦ء

٣١ جولائی ١٩٩٦ء کو کے ڈی اے کے حکام نے پولیس کی ہمراہی میں، شہباز گوٹھ، گلستان جوہر، اسکیم ٣٣ میں ٥٢٢ مکانوں کو منہدم کر دیا۔ آبادی کے مکینوں کو پیشگی اطلاع نہیں دی گئی تھی۔ چار خاندانوں نے ملبے کے اس ڈھیر میں ستمبر ١٩٩٦ء تک قیام جاری رکھا، کیوں کہ اُن کے پاس جانے کے لیے کوئی اور جگہ نہ تھی۔ باقی لوگ اپنے رشتہ داروں کے پاس منتقل ہو گئے اور کچھ نے کرائے پر مکان لے لیے۔

شہباز گوٹھ: متاثرین نے ایکشن کمیٹی بنا لی

شہباز گوٹھ کے ڈی اے ہاؤسنگ اسکیم ٣٣ میں نجی زمین پر قائم ہے۔ دس سال قبل سرکاری حکام اور لینڈ مافیا نے زمین پر قبضہ کرلیا، مگر اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ لینڈ مافیا نے یہاں پر غریبوں کو پلاٹ بیچنے شروع کر دیے۔ مکینوں کے مطابق اُس وقت ضلعی انتظامیہ نے انھیں اس بات کا یقین دلایا کہ اُن کو یہاں سے نہیں ہٹایا جائے گا۔ متاثرین کے مطابق، انھوں نے لینڈ مافیا کو ١٠،٠٠٠ سے ٣٥،٠٠٠ روپے تک دے کر زمین حاصل کی تھی۔ بیشتر متاثرین یہاں پر پچھلے سات سالوں سے قیام پذیر تھے۔ اس عرصے میں انھوں نے اوسطاً ١٠٠،٠٠٠ روپے فی خاندان اپنے گھروں کی تعمیر پر خرچ کیے تھے۔ یہ مکانات ٹین کی چادروں سے ڈھکے ہوئے دو کمروں، بیت الخلا اور چار دیواری پر مشتمل تھے۔ ان میں لوہے کے دروازے اور کھڑکیاں نصب تھیں۔ سیمنٹ کی قیمتیں زیادہ ہونے کی وجہ سے یہ لوگ پلاسٹر کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس آبادی میں بجلی اور پائپوں کے ذریعے پانی کی سہولت بھی نہ تھی۔ ایک

شہباز گوٹھ: ٦٥٣ ملین روپے کی لاگت سے تعمیر کردہ ٥٢٢ مکانات تباہ کر دیے گئے

تخمینے کے مطابق اس آبادی کی تعمیر پر ۲۵۳ ملین روپے کی لاگت آئی تھی۔

متاثرین کے مطابق لینڈ مافیا کے لیڈر کے صوبائی اسمبلی کے اراکین اور ڈپٹی کمشنر سے تعلقات تھے۔

لوگوں کو بغیر پیشگی اطلاع، معاوضے یا متبادل بندوبست کے بغیر بے دخل کر دیا گیا۔ متاثرین نے دوبارہ آبادکاری کے لیے ایک ایکشن کمیٹی بنائی ہے اور حکومت اور این جی اوز کے ساتھ مذاکرات کر رہے ہیں۔ این جی اوز ہنگامی امور، قانونی مدد اور لابی کرنے کے سلسلے میں مدد فراہم کر رہی ہیں۔

لسبیلہ پل، مصطفیٰ کالونی، ۱۹۹۶ء

ضلعی انتظامیہ اور پولیس نے صبح ۷ بجے لسبیلہ پل، مصطفیٰ کالونی پہنچ کر مکینوں کو سامان وغیرہ کی منتقلی کے لیے صرف چار گھنٹے دیے۔ ضلعی انتظامیہ نے کسی متبادل بندوبست یا معاوضے کی پیشکش نہیں کی۔ لوگ بڑی مشکل کا شکار ہو گئے اور یہ فیصلہ کرنے سے قاصر تھے کہ کہاں جائیں اور کیا کریں۔ انھوں نے انفرادی طور پر اس کارروائی کو روکنے کی کوشش کی۔ اس کارروائی میں ایک مسجد کو بھی جزوی طور پر نقصان پہنچا۔

یہ کارروائی تین دنوں میں مکمل ہوئی، اس کی وجہ کے ایم سی کا لسبیلہ پل کو چوڑا کرنے کا منصوبہ تھا۔ ۲۲۰ مکانات اور دکانیں تباہ ہوئیں، کے ایم سی کے حکام کے مطابق یہ تعداد ۶۰۰ تک پہنچ سکتی ہے۔ ۲۱ مارچ ۱۹۹۶ء کو کے ایم سی نے بغیر کسی وجہ کے کارروائی روک دی۔ متاثرہ خاندانوں میں سے زیادہ تر اپنے رشتہ داروں کے پاس منتقل ہو گئے، کچھ نے کرائے پر مکان لیے۔ مگر ۵۰ خاندان ایسے تھے جو پل کے نیچے یا جزوی طور پر تباہ شدہ مکانوں میں رہ رہے تھے۔ ایک اندازے کے مطابق اس کارروائی سے ۲۴ ملین روپے کا نقصان ہوا۔

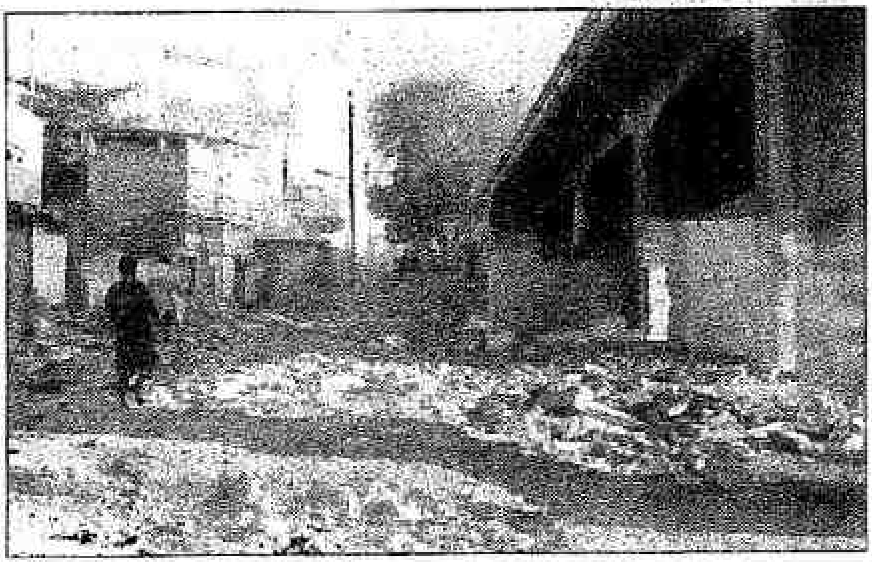

مصطفیٰ کالونی: یہ بستی ۴۰ سال پرانی تھی

مصطفیٰ کالونی: ۵۰ خاندان جزوی طور پر مسمارشدہ مکانوں میں اب بھی رہ رہے ہیں

یہاں رہنے والے زیادہ تر لوگ مزدوروں، ڈرائیوروں، ٹھیکیداروں، پلمبروں اور الیکٹریشنوں وغیرہ کی حیثیت سے کام کرتے ہیں، کچھ سرکاری ملازم بھی ہیں۔ اس آبادی میں پانی، بجلی، گیس اور نکاسیِ آب جیسی بنیادی سہولتیں میسر تھیں، اور کچھ گھروں میں ٹیلیفون کنکشن بھی تھے۔ انھوں نے یہ تمام سہولتیں قانونی طریقے پر حاصل کی تھیں اور باقاعدہ بل دیتے تھے۔

پُل کی تعمیر کا کام ۱۹۹۸ء میں شروع ہوا اور ۲۰۰۰ء یعنی انہدامی کارروائی کے دو سال بعد مکمل ہوا۔ اس سے حکام کی بے حسی ظاہر ہوتی ہے کہ انھوں نے وافر وقت ہونے کے باوجود مکینوں کو پیشگی اطلاع نہیں دی کہ وہ متبادل رہائشی بندوبست کر سکیں۔

سیکٹر ۳۲ ڈی ای، ناصر کالونی کورنگی ۲۰۰۰ء

۱۸ اگست ۲۰۰۰ء کو اس علاقے میں بے دخلی کی کارروائی ہوئی جہاں لوگ پچھلے اٹھارہ سالوں سے رہ رہے تھے۔ مکینوں کے مطابق کے ڈی اے کا ایک افسر دو پولیس موبائیلوں کی ہمراہی میں بغیر کسی پیشگی اطلاع کے آیا۔ ان لوگوں نے سب سے پہلے مسجد کو منہدم کیا اور پھر سڑک اور برساتی نالے کے ساتھ بنے ہوئے مکانوں کو مسمار کرنا شروع کر دیا۔ مکینوں کو اتنی مہلت بھی نہیں دی گئی کہ وہ گھریلو استعمال کی اشیا اکٹھی کر سکیں۔ ۱۷۵ مکان اور ۲۵ دکانیں تباہ ہو گئیں۔ بیشتر مکانات ۸۰ مربع گز پر بنے ہوئے تھے اور ان کے مکین یومیہ اجرت پر کام کرنے والے، راج مزدور، سبزی بیچنے والے، پھول بیچنے والے اور اخبار بیچنے والے تھے۔

اس کارروائی کے دوران ایک بچے کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور دوسرے کی گردن میں چوٹ آئی۔ ایک مویشیوں کے باڑے کی چھت گرنے کی وجہ سے ایک بھینس مر گئی اور دو شدید زخمی ہوئیں۔ ایک عورت کو گھر سے نکلتے ہوئے ملبہ گرنے کی وجہ سے چوٹیں آئیں۔ جب انہدامی کارروائی ہو رہی تھی اُس وقت کچھ عورتیں احتجاجی مظاہرہ کرنے کے لیے سڑک پر نکل آئیں۔ علاقے کا ایس ڈی ایم، سپرنٹنڈنٹ پولیس کورنگی اور مقامی پولیس اسٹیشن کے ایس ایچ او نے موقع پر پہنچ کر اس کارروائی سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ ۱۰ اگست کو کچھ سیاسی شخصیات ایس ڈی ایم، ڈی ایس پی اور ایس ایچ او کے ہمراہ آئیں اور علاقے کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے وعدہ کیا کہ انھیں معاوضہ حاصل کرنے میں اور اسی علاقے میں دوبارہ آبادکاری میں مدد دی جائے گی۔ اخبارات کے مطابق، ایک سرکاری ترجمان نے کہا کہ علاقے کے لوگوں نے اس زمین پر ناجائز قبضہ کیا ہوا تھا اور اس کی وجہ سے کورنگی میں ٹریفک کے بہاؤ میں خلل پڑتا تھا، اور یہ کہ اس وجہ سے برساتی نالوں کی صفائی مشکل ہو گئی تھی۔ اُس کے کہنے کے مطابق لوگوں کو تحریری نوٹس دیے گئے تھے۔

جنرل آباد، شیریں جناح کالونی، ۱۹۹۶ء

اس علاقے میں لوگ پچھلے پچیس سالوں سے رہ رہے تھے۔ کے ایم سی کے مطابق یہ آبادی سرکاری سہولتوں کے لیے مختص رفاہی پلاٹ پر قائم تھی اور شہری انتظامیہ یہاں پر بسوں کا ایک اڈہ قائم کرنے والی تھی۔ ۱۶ جنوری ۱۹۹۶ء کو کے ایم سی نے ایس ڈی ایم اور پولیس کی بھاری نفری کی ہمراہی میں ۴۷ مکانات کو منہدم کر دیا۔ متاثرہ خاندانوں کو پیشگی اطلاع نہیں دی گئی تھی اور نہ ہی انھیں کسی قسم کے معاوضے یا متبادل بندوبست کی پیش کش کی گئی۔ ان نیم پختہ مکانات کی تعمیر پر متاثرہ خاندانوں کے ۳۵ء۵ ملین روپے خرچ ہوئے تھے۔ بے دخلی کے ایک مہینے بعد تک تقریباً بیس خاندان ایک قریبی اسکول میں قیام پذیر تھے۔ اس کے بعد یہ لوگ یکا یک غائب ہو گئے۔ کچھ مکینوں کے مطابق پولیس انھیں اسکول خالی کرنے کے لیے دھمکیاں دے رہی تھی اس لیے یہ

لوگ شہر کے مختلف علاقوں میں منتقل ہو گئے۔ مجوزہ بسوں کے اڈے کی زمین کے گرد ایک دیوار تعمیر کر دی گئی ہے۔ تاہم، ٹرانسپورٹر اس اڈے کے رقبے اور محل وقوع سے خوش نہیں ہیں۔

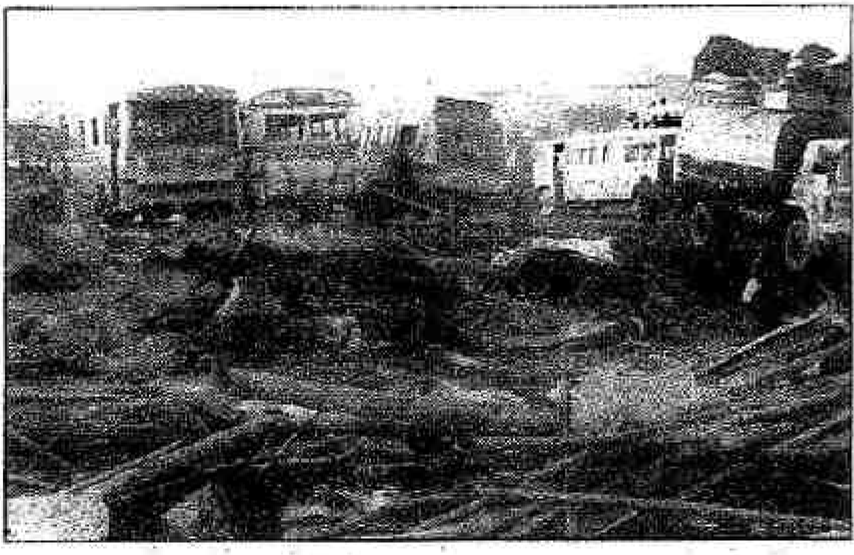

جنرل آباد: ۱۷ مکانوں پر بلڈوزر چلا دیا گیا

نیو آزاد بستی، الہلال سوسائٹی، سبزی منڈی ۱۹۹۹ء

۱۵ مارچ ۱۹۹۹ء کو پولیس کی سرکردگی میں نیو آزاد بستی، الہلال سوسائٹی میں ۹۲ مکانات کو منہدم کر دیا گیا۔ پولیس نے مکینوں کو دھمکیاں دیں اور احتجاج کرنے کا موقع نہیں دیا۔ اس کارروائی کے اختتام پر پولیس یہ تنبیہ کر کے رخصت ہوئی کہ حکم ہونے پر اسی طرح کی کارروائی دوبارہ بھی کی جا سکتی ہے۔ یہ آبادی ۱۹۶۲ء سے پہلے پرانی سبزی منڈی کے سامنے ڈی ۱۲۲ الہلال سوسائٹی میں قائم ہوئی۔ اس سے پہلے یہ لوگ لیاقت نیشنل ہسپتال کے پاس رہتے تھے۔ جب حکومت نے انھیں وہاں سے بے دخل کیا تو یہ لوگ اس علاقے میں آ گئے جو اب الہلال سوسائٹی کہلاتا ہے۔ اُس وقت یہ بنگال کوآپریٹو سوسائٹی کی ملکیت تھا اور اس نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہاں پر ۵۰۰ مکانات تھے۔ زمین کی تقسیم کا کوئی منظم طریقہ نہ تھا۔

الہلال سوسائٹی: یہاں رہنے والوں نے شہری سہولتیں اپنی مدد آپ کی بنیاد پر حاصل کی تھیں

چوں کہ یہ آبادی ایک بڑے نالے کے ساتھ قائم تھی اس لیے اس کو کچی آبادیوں میں شامل کر دیا گیا۔ حکومت نے ان کو کسی قسم کی سہولتیں فراہم نہ کیں۔ لوگوں نے سب کچھ اپنی مدد آپ کے تحت کیا۔ مکینوں کو شہری سہولتیں مہیا کرنے کے لیے نیو آزاد کمیٹی کے نام سے ایک محلہ کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔

محلہ کمیٹی کی کوششوں کی وجہ سے آبادی میں پانی کی سہولت مہیا ہوئی۔ کمیٹی نے پہلے تو مقامی کونسل سے رابطہ کیا پھر پانی کی لائن کے لیے کراچی واٹر بورڈ میں درخواست دی۔ ۱۹۸۲ء میں یہ لائن مکمل ہوئی اور ایک اندازے کے مطابق اس پر ۷۵،۰۰۰ روپے خرچ ہوئے۔ جس کے لیے ہر گھر سے ۲۵۰ روپے جمع کیے گئے۔

۱۹۸۹ء میں محلہ کمیٹی نے بجلی کے لیے کے ای ایس سی میں درخواست دی۔ لوگوں نے پیسے جمع کر کے ۵،۰۰۰ روپے فی الیکٹرک پول کے حساب سے ۲۵،۰۰۰ میں پانچ کھمبے لگوائے۔ ہر کھمبے سے پندرہ گھروں میں بجلی مہیا ہوتی تھی۔ باقی مکان والوں نے ان گھروں سے کنکشن لے لیے۔ بل کی رقم آپس میں برابر تقسیم ہوتی تھی۔

نکاس کی لائنیں کمیٹی نے اپنی مدد آپ کے تحت ڈلوائیں۔ لوگوں کے پاس فلش لیٹرین تھے اور اس سے متعلق مین ہول گھروں کے باہر واقع تھے جن میں گھروں کا تمام پانی اور فضلہ جمع ہوتا تھا۔ اس پر تقریباً ۷۵،۰۰۰ روپے خرچ ہوئے جس کے لیے محلہ کمیٹی نے ہر گھر سے ۱۵۰ روپے جمع کیے۔ زیادہ تر لوگ یومیہ اجرت پر کام کرتے تھے اور عورتیں گھر پر رہتی تھیں، بچے بھی کام کرتے تھے۔ اس علاقے میں کوئی سرکاری اسکول نہ تھا۔ بچے قرآن پڑھنے کے لیے مدرسے میں جاتے تھے۔ کمیٹی کے اراکین نے بتایا کہ علاقے میں پرائیوٹ اسکول ہیں مگر مہنگے ہیں۔

۱۳ مارچ ۱۹۹۹ء کو ایس ڈی ایم شرقی اور ڈی ایس پی جمشید کوارٹرز کچھ آدمیوں اور بلڈوزروں کے ساتھ آئے، اس وقت اکثر مرد کام پر گئے ہوئے تھے۔ پولیس نے بغیر کسی وارننگ کے مکانات منہدم کرنے شروع کردیے۔ جب عورتوں اور بچوں نے باہر نکل کر معلوم کرنے کی کوشش کی کہ کیا ہو رہا ہے، تو پولیس نے انھیں مارا پیٹا، کئی عورتیں زخمی ہوگئیں۔ اس کے علاوہ پولیس نے نقص امن کے تحت دو آدمیوں کو گرفتار بھی کرلیا۔ اس وقت تو لوگ یہ کارروائی رکوانے میں کامیاب ہوگئے، مگر ۱۵ مارچ کو پولیس دوبارہ آئی اور ۶۲ مکانوں کو مسمار کردیا۔

۱۹۷۱ء سے پہلے یہاں زیادہ تر بنگالی رہتے تھے اور انھوں نے بنگال کوآپریٹو سوسائٹی قائم کی ہوئی تھی۔ بنگلہ دیش بننے کے بعد اس سوسائٹی کے زیادہ تر اراکین پاکستان چھوڑ کر چلے گئے اور حکومت نے متروکہ قرار دے کر اس زمین کو قبضے میں لے لیا۔ کے ڈی اے نے اس علاقے کو کے ڈی اے اسکیم ۱۶ کے تحت الہلال سوسائٹی کے نام سے آباد کیا۔ ۱۹۷۴ء میں علاقے کے لوگوں نے پٹے کے حقوق کے لیے درخواست دی جو کے ڈی اے نے مسترد کردی۔ اس کے بعد لوگوں نے عدالت سے رجوع کرکے مارشل آرڈر ۲ کے تحت حکم امتناعی لے لیا۔ چند سالوں کے بعد سوسائٹی کے ڈائریکٹر نے سوسائٹی کے مکینوں کے خلاف مقدمہ دائر کردیا۔ ۱۹۸۲ء میں ڈائریکٹر نے عدالت کو بتایا کہ اس زمین کی ملکیت متنازعہ ہے لہٰذا مقدمہ خارج کردیا جائے۔ ۳ نومبر ۱۹۹۹ء کو کے ایم سی نے لوگوں کو علاقہ خالی کرنے کا حکم دے دیا۔ محلہ کمیٹی کے صدر نے کہا کہ نوٹس پر ڈپٹی کمشنر کے دستخط نہیں ہیں۔ چونکہ علاقے کے بیشتر مکین راجپوت تھے لہٰذا انھوں نے پاکستان یونٹی راجپوت فاؤنڈیشن سے رابطہ کرکے ان کی مدد حاصل کی۔ پھر انھوں نے ڈپٹی کمشنر سے بات کی اور اس نے انھیں یہاں رہنے کی اجازت دے دی۔

کچھ عرصے کے بعد اطلاع ملی کہ ڈائریکٹر الہلال سوسائٹی کے بلاک ۲۲ کے لیے کوئی سودا کر رہا ہے۔ اور ۱۳ مارچ ۱۹۹۹ء کو پولیس نے مکانات کو منہدم کرنا شروع کردیا۔ اس کارروائی کے نتیجے میں ۶۲ مکانوں کو نقصان پہنچا جس میں سے ۴۵ مکمل طور پر تباہ ہوگئے۔ ان مکانات میں رہنے والے اپنے رشتہ داروں کے پاس منتقل ہوگئے۔

یو آر سی کے اس علاقے میں سے معلومات جمع کرکے اخبارات اور متعلقہ اداروں کو فراہم کرنے کے نتیجے میں ۱۶ مارچ کو اخبارات میں اس کارروائی کے بارے میں خبریں شائع ہوئیں۔ یو آر سی کے کارکنان نے علاقے میں جا کر معلوم کیا تو پتا چلا کہ انہدامی کارروائی کے بعد کسی نے بھی ان لوگوں سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ یو آر سی نے مدد کی پیشکش کرنے کے بعد علاقے کی عوامی تنظیم کے ساتھ لوگوں کی ملاقات کا بندوبست کیا اور ایک رپورٹ تیار کی۔

لوگوں کو متبادل زمین کی پیشکش نہیں کی گئی۔ ان کے آپس میں اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے بھی پولیس کا کام آسان ہوا۔ نیو آزاد بستی کے لوگ زمین کی ملکیت کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ یہ زمین وفاقی حکومت کی ملکیت ہے۔ محلہ کمیٹی غیر منظم ہے اور صرف بلاک ڈی ۲۲ میں سرگرم ہے۔

قائداعظم کالونی ۱۹۹۹ء

قائداعظم کالونی، ریلوے لائن سے ۳۰ فٹ کے فاصلے پر عزیز آباد اور اسحاق آباد کے درمیان قائم ہے۔ ۱۹۵۸ء میں جب یہ کالونی قائم ہوئی تو یہ ایک کھلا میدان

تھا۔ یہاں پر ریلوے لائن بھی نہیں تھی۔ اُس وقت امین بھائی نامی ایک آدمی یہاں پر گوبر کے اپلے بنانے کا کام کرتا تھا کیوں کہ قدرتی گیس نہ ہونے کی وجہ سے گھروں میں اپلوں کو ایندھن کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ ۱۹۶۰ء میں جب یہاں پر ریلوے لائن بچھائی گئی تو حکام نے امین بھائی کو اس خیال سے تنگ نہیں کیا کہ وہ یہاں رہتا نہیں تھا، صرف اپلے بیچتا تھا۔

۱۹۷۳ء میں لیاری ندی میں سیلاب آنے سے بڑی تباہی پھیلی اور تین ہٹی پر رہنے والے خصوصی طور پر متاثر ہوئے۔ ڈپٹی کمشنر نے شدید متاثرہ علاقے کے دورے کے دوران کہا کہ حکومت فوری طور پر متاثرین کو پناہ گاہیں مہیا کرنے سے قاصر ہے، لہٰذا انھیں جہاں بھی جگہ ملے وہاں جھگی ڈال لیں۔ اس اعلان کے بعد پندرہ بیس خاندان قائد اعظم کالونی میں آ کر آباد ہو گئے۔ جب ریلوے حکام کو پتا چلا تو انھوں نے فوری طور پر آ کر پوچھ گچھ کی مگر ان خاندانوں کی بری حالت دیکھ کر انھیں بے دخل کرنے یا معاوضہ مانگنے کا خیال ترک کر دیا اور انھیں اس شرط پر وہاں رہنے کی اجازت دے دی کہ اگر ریلوے کو اس زمین کی ضرورت پڑی تو وہ لوگ اسے خالی کر دیں گے۔ اجازت ملنے کے فوراً بعد لوگوں نے مکانوں کی تعمیر شروع کر دی۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، امین بھائی اور چند دوسرے خاندانوں نے بھی یہاں رہنا شروع کر دیا۔ اس طرح ۱۹۸۲ء تک یہاں ۶۲ مکانات تعمیر ہو گئے۔

یہ مکان ۶۰ اور ۸۰ گز کے رقبے پر قائم، دو کمروں، صحن، بیت الخلا اور باورچی خانہ پر مشتمل تھے۔ کمروں پر ٹین کی چادروں کی چھت تھی۔ اس وقت یہاں ۵۰۰ افراد آباد تھے۔ مرد، عورتیں اور کچھ بچے چھوٹی موٹی ملازمتیں کرتے تھے۔ معاشی حالات کی خرابی کی وجہ سے اکثر بچے اسکول نہیں جاتے تھے۔ چونکہ یہ آبادی ریلوے لائن کے قریب واقع تھی اس لیے لوگوں کے لیے بنیادی سہولتیں حاصل کرنا مشکل تھا، اس لیے کہ ریلوے لائنوں کے قریب کھدائی کرنا خلافِ قانون ہے۔

ایک محلہ کمیٹی چھوٹے موٹے مسائل خود حل کر لیتی تھی۔ ۱۹۸۲ء میں مکینوں نے اپنی مدد آپ کے تحت پانی کا کنکشن حاصل کر لیا۔ جب واٹر بورڈ نے سستی کا مظاہرہ کیا تو انھوں نے عزیز آباد سے کنکشن لے لیا۔ انھوں نے اپنے گھروں تک پانی کی پائپ لائن لانے کا بیڑا اٹھایا اور اس کے اخراجات بھی خود برداشت کیے۔ یہ پائپ لائن کچھ عرصے تک زیرِ استعمال رہی، پھر اسے منقطع کر دیا گیا۔ ریلوے لائن کی وجہ سے بجلی حاصل کرنا بھی مشکل ثابت ہوا۔ ۱۹۹۴ء میں کے ای ایس سی کے کچھ کارکنوں کے مشورے پر لوگوں نے قریب کی ایک فیکٹری کے ٹرانسفارمر سے "کنڈا سسٹم" کے تحت بجلی لینا شروع کر دیا، جس کے لیے فی مکان ۱۰۰ روپے کے ای ایس سی کے اہلکاروں کو دینا طے پایا۔ آبادی کے لوگ رجسٹرڈ ووٹر ہیں اور انھوں نے ہر انتخاب میں ووٹ ڈالے ہیں مگر آج تک کسی لیڈر نے ان کے مسائل حل کرنے میں دلچسپی نہیں لی ہے۔

قائداعظم کالونی ۱۹۵۸ء سے قائم تھی

۲۶ دسمبر ۱۹۹۹ء کو ۱۱ بجے عزیز آباد تھانے کا ایس ایچ او بلڈوزروں کے ساتھ آیا اور آدھے گھنٹے کا نوٹس دے کر، بغیر تحریری احکامات کے، مکانات گرانا شروع کر دیا۔ لوگ تھوڑا بہت سامان بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ جب لوگوں نے احتجاج کیا تو پولیس نے انھیں مارا پیٹا اور چند نوجوانوں کو یہ کہہ کر

گرفتار کرلیا کہ وہ دہشت گردوں کو پناہ دیتے ہیں اور علاقے میں منشیات کا اڈہ انھی کی وجہ سے چل رہا ہے۔

ریلوے حکام نے ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے اس کارروائی کی مذمت کی اور کہا کہ وہ زمین ریلوے کی ملکیت ہے اور پولیس کو ایسی کارروائیاں کرنے کا کوئی حق نہیں۔ تاہم انھوں نے صرف زبانی احتجاج کیا اور موقع پر جاکر بے گھر ہونے والے لوگوں سے ملاقات نہیں کی۔ لوگوں نے بھی ان سے رابطہ نہیں کیا بلکہ اپنے طور پر مختلف سرکاری اداروں میں گئے۔ ڈپٹی کمشنر نے ان کی درخواست وصول کرتے ہوئے کہا کہ اسے اس آبادی کے بارے میں تفصیلات معلوم نہیں تھیں اور وہ اپنے مکانات دوبارہ تعمیر کرسکتے ہیں، کوئی انھیں دوبارہ تنگ نہیں کرے گا۔ ۳۰ مکان مکمل طور پر تباہ ہوگئے تھے اور رہنے کے قابل نہیں تھے، لہٰذا ان کے مکین اپنے رشتہ داروں کے پاس منتقل ہوگئے۔ باقی لوگ وہیں ٹوٹے پھوٹے مکانوں میں رہنے لگے۔ مکمل طور پر تباہ نہ ہونے والے مکانوں کے سامنے کے حصے، یعنی باورچی خانہ، بیت الخلا اور مرکزی دروازے کو نقصان پہنچا۔ مجموعی طور پر ۶۲۱ گھر تباہ ہوئے اور ۳۲ ملین روپے کا نقصان ہوا۔

انہدامی کارروائی کے دو دن بعد تک، ہفتہ واری چھٹی کی وجہ سے لوگ اعلیٰ حکام سے رابطہ نہ کرسکے، اور کسی قسم کی قانونی مدد نہ حاصل کرسکے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پولیس نے یہ کارروائی ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کی تھی۔

پولیس نے کارروائی کی جو وجہ پیش کی وہ بے بنیاد تھی کیونکہ اس صورت میں انھیں دہشت گردوں اور منشیات کے تاجروں کو فرار ہونے کا موقع فراہم کرنے کے بجائے گرفتار کرنا چاہیے تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ شہری انتظامیہ عزیز آباد اور اسحاق آباد کے درمیان قانون نافذ کرنے والے اداروں کی سہولت کے لیے ایک رابطہ سڑک تعمیر کرنا چاہتی تھی۔

متبادل حل

بیشتر ترقیاتی منصوبوں کی منصوبہ بندی کرتے وقت بے حسی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں لوگ بے گھر ہوتے ہیں۔ کئی این جی اوز نے ایسے منصوبوں کے لیے متبادل حل پیش کیے ہیں جن کی وجہ سے نہ صرف بے دخلیوں کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ لاگت بھی بہت کم ہوجاتی ہے۔ منظور کالونی نالہ ڈویلپمنٹ اسکیم اس کی ایک مثال ہے۔

تقریباً ۳۰۰،۰۰۰ مزدور پیشہ اور روزانہ کی آمدنی پر کام کرنے والے افراد اس کالونی اور متصل علاقوں میں رہتے ہیں۔ ایک وسیع کھلا نالہ آبادی کے درمیان سے گزرتا ہے۔ ایک زمانے میں اردگرد کے متمول علاقوں کا فضلہ وغیرہ بھی اسی نالے سے گزرتا تھا جس کی وجہ سے بارش کے موسم میں یہ نالہ اکثر ابل پڑتا تھا۔ ۱۹۷۷ء میں KMC نے کراچی کے جنوبی ضلع میں نکاسی کی لائنوں کی بہتری کا ایک پروگرام شروع کیا۔ ورلڈ بینک کی جزوی امداد سے عمل میں آنے والے اس منصوبے کے تحت نکاسی کے گنجائش میں اضافے کے لیے موجودہ کھلے نالوں کو ۲۶۰ فٹ چوڑا بنایا جاتا تھا۔ یہ کھلے نالے بہت سے کم آمدنی والے علاقوں سے گزرتے تھے۔ اس منصوبے کی وجہ سے نالے کے کنارے پر آباد تقریباً ۲۰۰۰ خاندان متاثر ہورہے تھے۔ ان خاندانوں کو دور دراز کے علاقوں میں منتقل ہونا پڑتا اور اس سلسلے میں کسی قسم کا معاوضہ دینے کا بھی کوئی منصوبہ نہیں تھا۔

ادارۂ امن و انصاف کے سماجی کارکنوں کی مدد سے علاقوں کی ۹ آبادیوں سے مختلف گروپوں نے بے دخلی کے منصوبے کے خلاف مزاحمت شروع کی۔ ہر گروپ سے تین نمائندے لے کر مرکزی رابطہ کونسل بنائی گئی۔ پھر انھوں نے خطوط لکھے اور بلدیہ کے نمائندوں سے ملاقات کی مگر وہ ان کی بات سننے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس کے بعد بلدیہ نے پچاس گھر منہدم کردیے جس پر لوگوں نے احتجاج کیا اور جلوس نکالے۔

علاقے کے لوگوں نے یو آر سی سے مدد کی درخواست کی۔ یو آر سی نے رضامندی ظاہر کرتے ہوے اورنگی پائلٹ پراجیکٹ کو بھی اس عمل میں شامل کرلیا کیوں کہ او پی پی کو کم آمدنی والی آبادیوں میں کم لاگت والے نکاسی کے نظام کی منصوبہ بندی کرنے کا وسیع تجربہ تھا۔ او پی پی کے ماہرین نے مسئلے کا مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ نالے کو وسیع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد علاقے کے لوگوں کی مشاورت سے ایک متبادل منصوبہ بنایا گیا، جس کے تحت نالے کو ۲۶۰ فٹ کے بجائے صرف ۸۰ فٹ چوڑا بنایا جانا تھا۔ جو کہ کنکریٹ سے بنا، گہرا اور مکمل طور پر ڈھکا ہوا ہو۔

لوگوں نے متبادل منصوبے پر عملدرآمد کے لیے مہم چلائی اور اس دوران اس بات کا بھی انکشاف ہوا کہ سرکاری ادارے جان بوجھ کر لوگوں کو بے دخل کرنا چاہتے تھے، کیوں کہ نالے کی چوڑائی بڑھانے کی وجہ سے پلاٹوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا اور غریبوں کو الاٹ ہونے کے بعد بچ جانے والے پلاٹوں کو بھی مارکیٹ میں بیچ دیا جائے گا۔ اسی وجہ سے لینڈ مافیا اور سرکاری حکام اصل منصوبے پر عملدرآمد چاہتے تھے۔ لوگوں نے گورنر اور کے ایم سی کے ایڈمنسٹریٹر سے ملاقاتیں کیں۔ اخبارات نے بھی دھوکا دہی کے اس منصوبے کو خوب اچھالا۔ متعدد این جی اوز نے متبادل منصوبے کی حمایت کی کیوں کہ یہ کم خرچ اور فنی طور پر بہتر تھا اور اس کے تحت بے دخلی کی ضرورت نہ ہونے کے ساتھ ساتھ غیر ملکی امداد بھی درکار نہ تھی۔ دو سال کی کوششوں کے بعد حکومت نے ہتھیار ڈال دیے اور متبادل منصوبے پر رضامندی ظاہر کردی۔ لوگ نہ صرف اپنے گھروں کو تباہی سے بچانے میں کامیاب ہوگئے بلکہ انھیں گندے نالے کے متعفن پانی سے بھی نجات مل گئی۔

متبادل منصوبے بنانے میں معلومات جمع کرنے اور اس کی نشر و اشاعت کی بہت اہمیت ہے۔ اس کے علاوہ متعلقہ اور بروقت معلومات سے لوگوں کو منظم ہونے میں مدد ملتی ہے۔ حکومت کے منصوبوں کا مطالعہ اور تنقیدی جائزہ بہت ضروری ہے، خاص طور سے اُن منصوبوں کا جن کے تحت بے دخلیاں ہوتی ہوں۔

صرف بے دخلیوں کی بنیاد پر کسی منصوبے کی مخالفت کرنا غلط ہے۔ جن مسائل کے حل کے لیے منصوبہ بنایا گیا ہو ان کو سمجھنا اور مجوزہ منصوبے کے فوائد اور نقصانات کا تفصیلی جائزہ بہت ضروری ہے۔ متبادل منصوبے بنانے کے عمل میں تمام متعلقہ لوگوں اور اداروں کی شرکت ہونی چاہیے۔

ان مسائل سے متعلق کارروائیوں میں اکثر طاقتور لابی کو کامیابی ہوتی ہے۔ کمزور کو ہتھیار ڈال کر بے دخل ہونا پڑتا ہے۔ انسانی حقوق، خاص طور سے رہائشی حقوق کی خلاف ورزی کا خاتمہ کرنے کے لیے معاشرے کے مختلف طبقوں میں توازن قائم ہونا ضروری ہے۔ معاشرے کے کمزور طبقوں کو فیصلہ سازی کے عمل میں شریک ہونا چاہیے، کیوں کہ اگر کمزور طبقوں کو اپنے مسائل اور ان کے حل کا صحیح ادراک ہو اور وہ قابل عمل منصوبے بنا کر پیش کریں تو فیصلہ سازی کا عمل ان کے حق میں مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

واقعاتی مطالعہ

منظور کالونی نالہ، ۱۹۹۸ء

۲۲ جولائی ۱۹۹۶ء کو کے ایم سی نے منظور کالونی نالے کے کنارے پر واقع ۲۰۰ مکانوں کو منہدم کردیا۔ منصوبے کے مطابق نالے کی چوڑائی میں ۵۰ فٹ تک کا اضافہ ہونا تھا۔ اس کی وجہ سے ۲،۰۰۰ خاندان بے گھر ہوجاتے۔ یہ پچیس سال پرانی بستی ہے جہاں لوگوں نے لینڈ مافیا کو ۱۰،۰۰۰ سے ۴۰،۰۰۰ روپے دے کر زمینیں حاصل کیں اور مزید ۷۰،۰۰۰ سے ۸۰،۰۰۰ تک خرچ کر کے مکانات کی تعمیر کی۔ اندازے کے مطابق اس بستی میں لوگوں نے ۱۵۰ ملین روپے سے زیادہ کی سرمایہ کاری کی ہے۔ یہ نالہ اختر کالونی اور کشمیر کالونی سے گزرتا ہے۔ بے دخل ہونے والوں کے مطابق انھیں پیشگی اطلاع نہیں دی گئی۔ ایک عورت کے مطابق "یہ ایک

منظور کالونی: جون ۱۹۹۶ء میں کے ایم سی نے ۲۰ مکان منہدم کر دیے

مٹنے کا منظر تھا۔ وہ ہمیں اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے ہم ان کے دشمن ہیں۔"

علاقے کے مکینوں کے پرزور احتجاج پر کے ایم سی نے اپنی کارروائی روک دی۔ لوگوں نے پریس کلب اور اخبارات کے دفاتر کے سامنے مظاہرے کیے۔ بے گھر ہونے والوں میں سے چھ خاندان اس کارروائی کے ایک ہفتے بعد بھی اپنے ٹوٹے پھوٹے مکانوں میں رہ رہے تھے کیوں کہ شہر میں اُن کے رشتہ دار نہیں تھے اور نہ ہی اُن کے پاس مکان کرائے پر لینے کے لیے پیسے تھے۔ دس خاندان اپنے رشتہ داروں کے پاس منتقل ہو گئے اور باقی دوسری آبادیوں میں مکان کرائے پر لے کر رہنے لگے۔

یہاں کے مکینوں نے کہا کہ اگر کے ایم سی انھیں معاوضہ اور متبادل پلاٹ مہیا کرے تو وہ کسی دوسری جگہ منتقل ہونے کے لیے تیار ہیں۔ "ہم ترقیاتی کاموں میں رکاوٹ نہیں بننا چاہتے"، علاقے کے ایک لیڈر نے کہا۔ "اگر کے ایم سی ہمارے نقصانات کا معاوضہ ادا کر دے تو ہم منتقلی کے لیے تیار ہیں۔"

تمام مکین مزدور طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور تعمیراتی منصوبوں پر اور فیکٹریوں میں کام کرتے تھے۔ کچھ کے ایم سی اور واٹر بورڈ جیسے سرکاری اداروں میں بھی ملازم تھے۔ اس آبادی میں بجلی، پانی اور گیس جیسی سہولتیں مہیا تھیں۔ مکانات منہدم کرنے سے پہلے بجلی اور گیس کی لائنیں منقطع نہیں کی گئی تھیں۔

منظور کالونی کے رہنے والے انہدامی کارروائی کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں

میانوالی (پنجاب) سے آنے والا محمد جمیل پندرہ سال سے منظور کالونی میں رہ رہا ہے۔ وہ بڑھئی ہے اور اُس کی آمدنی ۲،۵۰۰ روپے ماہانہ ہے۔ "میرے چھ بچے اسکول جاتے ہیں اور گھر مکان واحد کمانے والا میں ہوں۔" اُس کے پاس ۸۰ مربع گز کا گھر ہے۔ اس نے کہا، "ہمیں کوئی پیشگی نوٹس نہیں دیا گیا۔ یہ کارروائی بہت اچانک اور ایک کام کے دن ہوئی۔ ہم میں سے اکثر لوگ گھر کے تمام

سامان سے محروم ہوگئے۔ انھوں نے بلڈوزروں کی جگہ کرینیں استعمال کیں جس کی وجہ سے دروازے، کھڑکیاں اور چھتیں وغیرہ بالکل تباہ ہوگئیں ورنہ ہم انھیں نیا مکان بناتے وقت دوبارہ استعمال کرسکتے تھے۔"

"اگر نالے کو مزید گہرا کردیا جائے تو اسے چوڑا کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی،" اس نے زور دے کر کہا۔ "اس طرح متاثرین کی تعداد میں کمی ہوسکتی ہے۔ ہمارے علاقے کے صوبائی اور قومی اسمبلی کے اراکین کچھ نہیں کررہے ہیں۔ کسی نے بھی ہماری تجاویز اور نقطۂ نظر جاننے کی کوشش نہیں کی۔"

کارروائی کے دوران کسی ادارے کا کوئی بھی ذمہ دار افسر موجود نہیں تھا۔ "ان لوگوں نے مجھے بے گھر کردیا۔ میں دوسرا مکان خریدنے یا بنانے کے قابل نہیں ہوں، اور سوچتا ہوں کہ اب کیا کروں۔ کرائے پر مکان لینا میری استطاعت سے باہر ہے۔ اب میرے لیے کام پر جانا بھی مشکل ہے۔ میرے بچے اسکول نہیں جاسکیں گے۔ مجھے غریب ہونے کی سزا ملی ہے۔ ہم کے ڈی اے کی اسکیموں میں زمین خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ میں نے لینڈ مافیا کو ۳۰،۰۰۰ روپے دے کر یہ پلاٹ خریدا، پھر ۳۰،۰۰۰ میں ایک کمرے اور بیت الخلا پر مشتمل مکان بنایا، اس کے بعد مزید ۲۵،۰۰۰ روپے بجلی گیس اور پانی کے کنکشن حاصل کرنے پر خرچ کیے۔ میں نے تمام سہولتوں کے بل بھی باقاعدگی سے ادا کیے۔"

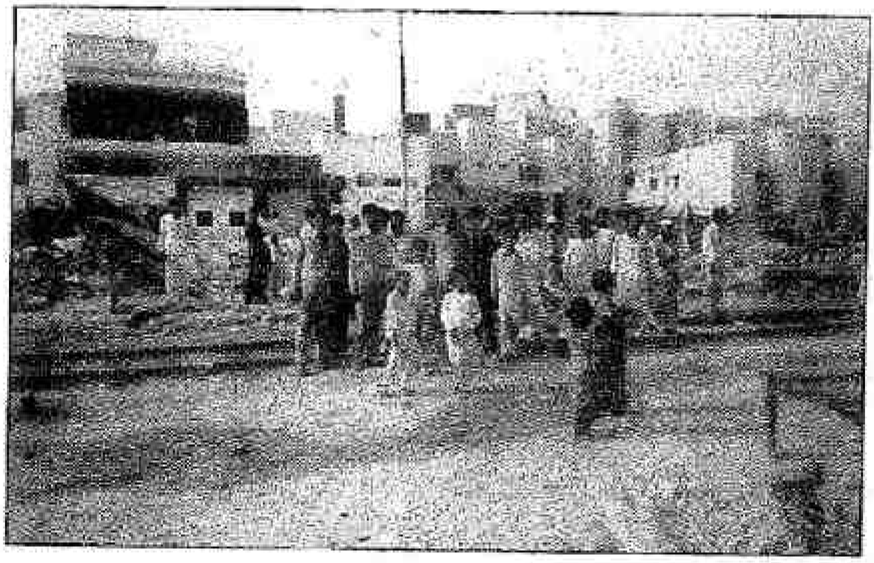

ریلوے کالونی میں ایک غریب بستی کا انہدام؛ فوج کے زیرِ اہتمام متمول لوگوں کا رہائشی منصوبہ عسکری اپارٹمنٹس بھی پاکستان ریلوے کی زمین پر تعمیر کیا گیا ہے۔

۵

کچی آبادیوں میں بے دخلیاں

صنعتوں کا شہر کراچی ہر سال کام کی تلاش میں سرگرداں ہزاروں لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اس شہر کی آبادی ۵ فیصد سالانہ کے حساب سے بڑھ رہی ہے، جب کہ دوسرے شہروں کا قومی اوسط ۳.۵ فیصد ہے۔ شہر کے پھیلاؤ کے زمین پر بڑے شدید اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ حکومت غریبوں اور شہروں کی طرف ہجرت کرنے والوں کو ان کی ضرورت کے مطابق زمین مہیا کرنے سے قاصر ہے۔ اس کے نتیجے میں یہاں بڑے پیمانے پر کچی آبادیاں قائم ہو گئی ہیں۔

سرکاری طور پر تسلیم شدہ عارضی آبادیاں جہاں قانونی طور پر لیز کے حقوق نہیں دیے جاسکتے، ان کو کچی آبادیاں کہا جاتا ہے۔ تاہم، ان آبادیوں میں رہنے والوں کی نظروں میں ان کی حقیقت مختلف ہوتی ہے یعنی عارضی کے بجائے وہ ان آبادیوں کو کافی مستحکم گردانتے ہیں۔ مختلف حکومتوں کی طرف سے کچی آبادیوں کو باضابطہ بنانے کے وقتاً فوقتاً اعلانات کی وجہ سے بھی ان کے ظاہری استحکام میں اضافہ ہوتا ہے۔ موجودہ پالیسی کے تحت ۲۳ مارچ ۱۹۸۵ء سے پہلے قائم ہونے والی آبادیاں جو کم سے کم ۴۰ مکانوں پر مشتمل ہوں، باضابطہ بنانے کے لیے منتخب کی گئی ہیں۔ مارشل لا حکومت کی طرف سے نئی کچی آبادیوں کے قیام کے خلاف سخت احکامات ہونے کے باوجود، مستقبل میں باضابطہ بنائے جانے کی امید میں کچی آبادیاں قائم ہوتی رہی ہیں۔

جب لوگ ان آبادیوں میں اپنے مکانات کی تعمیر کر لیتے ہیں اور چند بنیادی سہولتیں حاصل کر لیتے ہیں، اس کے بعد ان کو ہٹانے کی ہر کوشش کو سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کیونکہ لوگ اپنی سرمایہ کاری کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں۔ عام طور سے جب لوگوں کو سرکاری اداروں کی طرف سے زمین خالی کرنے کے نوٹس ملتے ہیں تو وہ مقامی عوامی تنظیم کی مدد سے حکم امتناعی حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ تنظیم عام طور سے لینڈ مافیا کے کارندے خود ہی قائم کرتے ہیں جن کو سیاستدانوں اور انتظامیہ کے اہم افراد کی پشت پناہی حاصل ہوتی ہے۔ حکم امتناعی حاصل کرنے کے لیے لوگ مختلف ادوار میں جاری ہونے والے قوانین، ضوابط اور احکامات کا استعمال کرتے ہیں۔

۱۹۷۰ء تک کم آمدنی والے طبقے کو رہائش فراہم کرنے کی بنیاد کچی آبادیوں کو ختم کرنے اور مکینوں کی دوبارہ آبادکاری پر تھی۔ دوبارہ آبادکاری کی تمام اسکیمیں مختلف وجوہات کی بنا پر مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں ناکام رہیں۔ ۱۹۷۰ء کے اوائل میں حکومت کی طرف سے ایک نئی پالیسی سامنے آئی۔ اس پالیسی کے تحت کچی آبادیوں کو منہدم کرنے کے بجائے ان کو باضابطہ بنایا جانا اور ترقی دینا تھا۔ اس پالیسی کی چار بنیادی خصوصیات تھیں:

(۱) ۹۹ سالہ لیز کے ذریعے مالکانہ حقوق کا تحفظ کیا گیا جس کے لیے مکینوں کو یکمشت ادائیگی کرنی تھی۔ لیز کی رقم کا تعین زمین کی درجہ بندی (رہائشی یا تجارتی) اور پلاٹ کے رقبے (جتنا بڑا پلاٹ اسی حساب سے فی مربع گز قیمت) کے اعتبار سے کیا گیا۔

(۲) کے ایم سی نے ماحولیاتی بہتری (پانی کی فراہمی، نکاسی، گندے نالوں کا نظام، سوکھے کچرے کا بندوبست اور سڑکوں کی مرمت) کا ایک پروگرام شروع کیا۔ منصوبہ بندی مقامی معیار کے مطابق بتدریج اور چلک دار انداز میں کی گئی۔ حتمی حل پیش کرنے کے بجائے مستقبل میں مسلسل ترقی کی ضمانت پر زور دیا گیا۔

(۳) یہ پورا منصوبہ خود انحصاری کی بنیاد پر بنایا گیا۔ تمام اخراجات کی ادائیگی لیز اور دوسری مدوں میں حاصل ہونے والی رقومات سے کی جاتی تھی۔

(۴) اس تمام عمل میں لوگوں کی شرکت بہت ضروری تھی، نہ صرف اس لیے کہ انھیں تمام اخراجات کی ادائیگی کرنی تھی، بلکہ ترقیاتی کام کی منصوبہ بندی مکینوں کی شرکت کے بغیر ممکن نہیں۔ پلاٹوں پر ہونے والے ترقیاتی کام مکینوں کی صوابدید پر چھوڑ دیے گئے تھے۔

باضابطہ کچی آبادی وہ ہے جس کو لیز کے باقاعدہ حقوق اور ایک طے شدہ معیار کے مطابق ترقیاتی کاموں کے لیے حکومت کی طرف سے منظور کیا جائے۔ اس طرح یہ شہر کے ماسٹر پلان کا باقاعدہ حصہ بن جاتی ہے۔

۱۹۷۸ء میں "ریگولرائزیشن اینڈ ڈویلپمنٹ آف کچی آبادیز" کے نام سے مارشل لا آرڈر ۷۶ جاری کیا گیا۔ اس کو ۱۹۷۹ء میں مارشل لا آرڈر ۱۱۱ اور ۱۹۸۲ء میں مارشل لا آرڈر ۱۸۳ کے تحت دوبارہ جاری کیا گیا۔ اس کی تکمیل سندھ کچی آبادی رولز آف ۱۹۸۲ء شق ۳ (۴) سے ہوئی۔ ان تمام احکامات کی بنیاد یہ ہے "حکومت کسی علاقے کو کچی آبادی قرار دے سکتی ہے، اور اس طرح قائم ہونے والی کچی آبادی کو اس حکم میں شامل شرائط کے تحت باضابطہ بنایا جائے گا اور ترقی دی جائے گی۔" اس حکم نامے کے آرٹیکل ۷(۱) میں مزید کہا گیا "باضابطہ بنائے جانے کی اسکیم کے تحت، کچی آبادیوں کے غیر قانونی مکینوں کی دوبارہ آبادکاری اسی آبادی میں کی جائے گی اور جہاں یہ ممکن نہ ہو، وہاں کسی دوسرے علاقے میں مقررہ رقبے کے پلاٹ الاٹ کیے جائیں گے۔"

۱۹۸۰ء میں زون سی کے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر نے کچی آبادیوں کے قیام کو روکنے اور ان کے انسداد کے لیے مارشل لا آرڈر ۱۳۰ کے نفاذ کا اعلان کیا جو انسداد تجاوزات کا حکم کہلایا۔ ۱۹۸۲ء میں زون سی کے مارشل لا ایڈمنسٹریٹر نے مارشل لا آرڈر ۲۰۲ کے نفاذ سے مارشل لا آرڈر ۱۳۰ کو مزید تقویت پہنچائی۔ اس کے آرٹیکل ۸ کے تحت متجاوز فرد کو تجاوزات کے انسداد کا حکم جاری کرنے والے افسر کے سامنے حاضر ہونے کا موقع فراہم کیا گیا ہے۔

مارچ ۱۹۸۷ء میں سندھ کی حکومت نے سندھ کچی آبادی ایکٹ ۱۹۸۷ء کے نام سے ایک قانون نافذ کیا جس کے تحت سندھ کچی آبادی اتھارٹی (SKAA) کا قیام عمل میں آیا۔ اتھارٹی کو ۲۳ مارچ ۱۹۸۵ء سے پہلے غیر قانونی طور پر قائم ہونے والی آبادیوں کو مکمل یا جزوی طور پر کچی آبادی قرار دینے کا اختیار تھا۔ ۱۹۹۳ء میں تمام سابقہ احکامات اور تجاویز کو منسوخ کرتے ہوئے سندھ کچی آبادی ریگولیشن کا اعلان کیا گیا۔ اس ریگولیشن کے چوتھے باب کے آرٹیکل ۸ میں لکھا ہے: "باضابطہ بنانے کی اسکیم میں کم سے کم افراد کو بے گھر کیا جائے۔" آرٹیکل ۱۰(ii) اور (v) میں مکینوں کو یہ موقع فراہم کیا گیا کہ وہ اسکیم کے متعلق اپنے اعتراضات داخل کر سکیں، اور جب بھی اس اسکیم کے تحت کوئی عمارت منہدم کی جائے تو حکام اس کے عوض کم سے کم اسی رقبے کا ایک کھلا پلاٹ مہیا کریں۔ سندھ کچی آبادی ریگولیشن ۱۹۹۳ء کے آرٹیکل ۱۸ اور ۹ کے تحت، سرکاری سہولتوں کے قیام کے لیے منہدم کی جانے والی عمارتوں کے مکینوں کو دوبارہ آبادکاری کی سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔ اس ریگولیشن میں درج ہے:

"سرکاری سہولتوں کے علاقوں میں ترقیاتی اسکیموں پر عملدرآمد کی تیاری کے سلسلے میں پہلے سے موجود عمارتوں کو اس شرط پر منہدم کیا جائے گا کہ متاثرین کو کہیں اور منتقل کر کے ان کی دوبارہ آبادکاری کی جائے۔ اس طرح کی عمارتوں کو گرانے کے لیے مالکان کو مناسب مہلت دی جائے گی۔" اور "منظور شدہ اسکیم سے متاثر ہونے والے غیر قانونی مکینوں کو دوبارہ آبادکاری کے لیے کم سے کم ۸۰ مربع گز کا کھلا پلاٹ مہیا کیا جائے گا جو کہ اسی آبادی میں ہو، اگر سندھ کچی آبادی ریگولیشن ۱۹۹۳ء کے گوشوارہ "سی" میں شائع شدہ نرخوں پر زمین دستیاب ہو۔ نقد معاوضہ صرف اس صورت میں ادا کیا جائے گا کہ مندرجہ بالا شرائط پر پلاٹ دستیاب نہ ہو۔" (دیکھیں ضمیمہ ۲)

کچی آبادیوں کو باضابطہ کرنے اور ان کی حالت بہتر بنانے کے بارے میں ۱۵ جنوری ۲۰۰۱ء کو جنرل پرویز مشرف کی حکومت کی جاری کردہ نئی پالیسی میں کہا گیا ہے کہ ۱۹۸۵ء سے پہلے قائم ہونے والی کچی آبادیوں کی ترقی اور باضابطہ بنانے کا عمل موجودہ پالیسی کے مطابق ہوگا۔ نئی پالیسی، پاکستان ریلوے یا

دوسرے اداروں کی زمینوں پر قائم کچی آبادیوں کی منتقلی اور دوبارہ آبادکاری پر زور دیتی ہے۔

سرکاری پالیسیاں

کچی آبادیاں تعداد اور رقبے میں ۱۰ فیصد سالانہ کے حساب سے بڑھ رہی ہیں۔ ایک کچی آبادی کی مکمل نشو و نما میں پندرہ سے بیس سال لگتے ہیں اور اس عمل میں بے شمار لوگوں کی محنت شامل ہوتی ہے۔

بھٹو کے دورِ حکومت سے لے کر اب تک ہر حکومت نے رہائش کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے کوششیں کی ہیں۔ بھٹو نے اپنے مشہور نعرے، "روٹی، کپڑا اور مکان" میں رہائش کو شامل کیا۔ جنرل ضیاء الحق نے کچھ کچی آبادیوں کو باضابطہ بنایا۔ اور محمد خان جونیجو نے اپنے پانچ نکاتی منشور میں کم آمدنی والے طبقے کی رہائش کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے ۵۰،۰۰۰ مکانات کی تعمیر کا وعدہ کیا۔ ۹۰ء کی دہائی میں بے نظیر اور نواز شریف نے ان آبادیوں کو باضابطہ کرنے کے وعدے کیے۔

جنوری ۱۹۷۸ء میں جنرل ضیاء الحق نے سرکاری زمینوں پر قائم، سو سے زیادہ مکانات پر مشتمل تمام آبادیوں کو باضابطہ بنا دیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ پانی کی فراہمی اور نکاس اور سڑکوں کی مرمت جیسی سہولتیں فراہم کر کے ان کی حالت بہتر بنائی جائے۔ ۲۳ مارچ ۱۹۸۵ء کو وزیر اعظم محمد خان جونیجو نے ۴۰ یا اس سے زیادہ مکانات پر مشتمل تمام آبادیوں کو باضابطہ بنانے کا اعلان کیا۔

۱۹۸۵ء میں ملک بھر میں ۲،۲۳۲ کچی آبادیاں تھیں جن کی آبادی ۱۰ء۵ ملین تھی۔ پنجاب میں ۱۰۰۱، سندھ میں ۱،۲۹۳، بلوچستان میں ۷ ۹ آبادیاں قائم تھیں مگر حیرت انگیز طور پر سرحد میں ایک بھی کچی آبادی نہیں تھی۔ ۱۹۸۶ء سے ۱۹۹۰ء کے درمیان کے عرصے میں ان آبادیوں کی حالت بہتر بنانے کا عزم کیا گیا، اور تمام صوبائی حکومتوں کو ان آبادیوں میں شہری سہولتیں فراہم کرنے کے لیے کہا گیا۔ ایک سرکاری پالیسی "نیشنل پالیسی آن کچی آبادیز، اربن ری نیول اینڈ سلم اپ گریڈیشن" نومبر ۲۰۰۰ء میں تیار کی گئی، جس میں کہا گیا: "کچی آبادیوں کی بہتری کے پروگرام کو عوام کی عدم شرکت، مکینوں کو مالکانہ حقوق دینے میں تاخیر اور ٹھیکیداروں کے ذریعے کرائے گئے ترقیاتی کاموں کے ناقص معیار کی وجہ سے نقصان پہنچا۔ نتیجے کے طور پر اس سے فائدہ اٹھانے والے کافی غیر مطمئن تھے، باوجود اس امر کے کہ کچھ صوبوں کو اس سلسلے میں وفاقی حکومت سے بھاری امداد موصول ہوئی۔ ۱۹۸۵ء کی پالیسی کے نفاذ کے بعد سے ۱۶۸۱ کچی آبادیوں کو باضابطہ بنایا گیا اور ۹۲۵ میں ترقیاتی کام ہوئے۔ اس کے علاوہ سرحد کے ۲۰ اور بلوچستان کے ۷ کم ترقی یافتہ علاقوں میں ترقیاتی کام ہوئے۔"

۱۵ جنوری ۲۰۰۱ء کو جنرل پرویز مشرف نے ملک بھر کے شہروں میں پسماندہ بستیوں (Slums) کی نشاندہی کرنے اور ان کی منتقلی کے لیے مناسب مقامات تلاش کرنے کے لیے ایک ہدایت نامہ جاری کیا۔ دوبارہ آبادکاری کے منصوبوں کو ۳۰ جون ۲۰۰۱ء تک عملدرآمد کے لیے تیار ہو جانا تھا۔ صرف ان آبادیوں کو منتقل کیا جانا تھا جو حکومت کی ایسی زمینوں پر قائم ہوں جہاں انتظامی یا ترقیاتی کام کیے جانے ہوں یا وہ آبادیاں جو ملک کی سلامتی کے نقطۂ نظر سے کسی حساس علاقے میں قائم ہوں۔ حکومت کو اس بات کی یقین دہانی کرائی تھی کہ مستقبل میں قائم ہونے والی تمام سرکاری رہائشی اسکیموں میں کم آمدنی والے طبقے کے لیے پلاٹ مختص کیے جائیں گے۔

بنیادی طور پر موجودہ حکومت کی پالیسی ۱۹۸۵ء کی پالیسی ہی کا تسلسل ہے۔ نئی پالیسی میں اس بات کی خواہش نظر آتی ہے کہ جو آبادیاں ۱۹۸۵ء کی پالیسی کے دائرۂ کار سے باہر ہیں یا اس کے بعد قائم ہوئی ہیں، ان کو کہیں اور منتقل کیا جائے۔

۱۵ جنوری ۲۰۰۱ء کو کچی آبادیوں کے لیے ایک امدادی منصوبے کا اعلان کیا گیا جس میں وعدہ کیا گیا کہ سرکاری زمینوں پر قائم کچی آبادیوں میں رہنے

والے کسی شخص کو اس وقت تک بے دخل نہیں کیا جائے گا جب تک اس کی دوبارہ آبادکاری کے انتظامات نہ ہو جائیں۔ اس بات کا فیصلہ کیا گیا کہ وفاقی حکومت، زمین کی ملکیت رکھنے والی ایجنسیاں اور تمام صوبائی حکومتیں ۱۰ فروری ۲۰۰۱ء تک ان آبادیوں کی نشاندہی کرلیں گی جن کو منتقل کرنے کی ضرورت ہے۔ کابینہ نے حکام کو ہدایت کی کہ وہ ۲۸ فروری ۲۰۰۱ء تک کچی آبادیوں کے مکینوں کی منتقلی کے لیے مناسب جگہوں کی نشاندہی کریں اور دوبارہ آبادکاری کے منصوبے بنا کر ۳۰ جون ۲۰۰۱ء تک عملدرآمد کے لیے تیار کرلیں۔

لیکن یہ تمام سرکاری کوششیں لاحاصل ثابت ہوئیں۔ نہ ان سے موجودہ کچی آبادیوں کو باضابطہ بنانے میں کامیابی ہوئی اور نہ ہی کم آمدنی والے طبقے کو قانونی رہائشی سہولتیں فراہم کی جاسکیں۔ یہ پالیسیاں نامناسب منصوبہ بندی اور ترقی پسندانہ نقطۂ نظر کی کمی کے باعث شروع سے ہی تباہی کی راہ پر گامزن تھیں۔ منصوبہ سازوں کا تعلق امرا کے طبقے سے تھا لہٰذا ان کی بنائی ہوئی پالیسیاں غریبوں کے مسائل سے ناواقفیت کی بنا پر ناکام ہوئیں۔

جون ۲۰۰۱ء تک مزید بے دخلیاں نہ کرنے کے حالیہ اعلان، اور کچی آبادیوں کے مکینوں کو متبادل زمین فراہم کرنے کی یقین دہانی کے باوجود مختلف اداروں اور ایجنسیوں کے لیے کام کرنے والی انہدامی ٹیمیں کراچی میں کام کررہی ہیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ تباہ کن صورت حال ریلوے کالونیوں میں رونما ہوئی ہے۔ ریلوے حکام ان اقدامات کے دفاع میں یہ کہتے ہیں کہ ان کا نشانہ کچی آبادیاں نہیں بلکہ ناجائز تجاوزات ہیں۔ مگر عام تاثر یہ ہے کہ زمین کے مالکان یہ زمینیں صرف اس لیے خالی کرانا چاہتے ہیں کہ انھیں بیچ کر منافع کمایا جاسکے۔ اور متاثرین کو متبادل زمینیں فراہم کرنے سے انھیں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

کراچی میں ریلوے کی آبادیاں

جب کچی آبادیوں کے بارے میں تازہ ترین پالیسی کا اعلان ہوا، ریلوے اس سے پہلے ہی سے انسداد تجاوزات کی مہم چلا رہی تھی۔ اس نے ریلوے کی زمین سے لوگوں کو بے دخل کرنے کی کارروائیاں جاری رکھیں، جس پر آل پاکستان الائنس آف کچی آبادیز اور کچی آبادیوں کے حقوق کے لیے جدوجہد کرنے والی دوسری تنظیموں نے احتجاج شروع کردیا۔ ۱۵ جنوری ۲۰۰۱ء کو جنرل پرویز مشرف نے اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور حکم دیا کہ کچی آبادیوں کے جن مکینوں کے پاس سر چھپانے کا ٹھکانہ نہیں ہے، ان کو بے دخل نہ کیا جائے۔

پاکستان ریلوے اپنی زمینوں پر ۱۹۲ کچی آبادیوں کی نشاندہی کرچکی ہے۔ ان میں سے جو ۲۳ مارچ ۱۹۸۵ء سے پہلے قائم ہوئی ہوں اور ایسی زمین پر قائم نہ ہوں جس کی ریلوے کو ضرورت ہو، ان کو نو آبجکشن سرٹیفکیٹ (NOC) جاری کیے جائیں گے۔

کراچی میں ریلوے کی ملکیت میں ۶۲۰، ۱۱۷ ایکڑ زمین ہے، جس میں سے ۱۲۷۵ ایکڑ

ریلوے کالونی: حکومت ریلوے کی زمینوں پر قائم بیس ہزار مکانات کو منہدم کرنے کا ارادہ رکھتی ہے

زمین ناجائز قابضین کے قبضے میں ہے۔ ان میں سے زیادہ تر تجاوزات پر شاندار تجارتی عمارتیں اور اونچے درجے کی رہائشی اسکیمیں قائم ہیں، جو سابق وزرائے اعظم کے ادوار میں تعمیر ہوئیں۔ مگر جن تجاوزات پر لوگ سب سے زیادہ برہم ہیں وہ ریلوے لائنوں کے ساتھ قائم کچی آبادیاں ہیں۔ یو آر سی کے تخمینے کے مطابق ۲۶،۰۰۰ غریب خاندان (جن میں سے بیشتر ریلوے کے کم آمدنی والے ملازمین ہیں) سیفٹی زون میں (ریلوے ٹریک سے ۵۰ فٹ کے دائرے میں واقع زمین پر جس کو خالی رہنا چاہیے) اور اس سے متصل زمینوں پر رہتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر آبادیاں آٹھ ریلوے لائنوں کے ساتھ واقع ہیں جن میں سے سات اب زیر استعمال نہیں ہیں۔

پاکستان ریلوے شدید مالی بحران کا شکار ہے جس کی وجہ سے ریلوے کے وزیر نے اس خسارے کی پردہ پوشی کے لیے مقبوضہ زمینیں خالی کر کے تجارتی آبادکاروں کے ہاتھ بیچنے کا منصوبہ بنایا۔ پچھلے بارہ مہینوں میں ریلوے کی مختلف آبادیوں میں ۲۰۰۰ مکانات منہدم کیے جا چکے ہیں، جن میں سے کوئی بھی سیفٹی زون میں نہیں تھا۔ ان لوگوں کو معاوضہ دینے یا دوبارہ آبادکاری کے لیے کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ اس کے علاوہ حیدرآباد اور راولپنڈی کی ریلوے آبادیوں میں بھی بڑے پیمانے پر انہدامی کارروائیاں کی گئیں اور حکومت کراچی میں مزید ۲۰،۰۰۰ مکانوں کو منہدم کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

کراچی کی ریلوے آبادیوں کا آپس میں رابطے کا اپنا انتظام ہے اور یہ آل پاکستان فیڈریشن آف کچی آبادیز کا حصہ ہیں۔ یہ آبادیاں انہدامی کارروائیوں کو روکنے کے لیے اور کراچی اور اسلام آباد میں حکام سے مذاکرات کے لیے سخت جدوجہد کر رہی ہیں، مگر عوامی رائے عامہ ان کے حق میں نظر نہیں آتی۔ ایک رپورٹ صورت حال کو اس طرح بیان کرتی ہے: ''ایسے بے شمار واقعات ہوئے ہیں جن میں قابضین نے ریلوے ملازمین کو مارا پیٹا۔ چونکہ ان قابضین کو منشیات فروشوں اور اسلحے کے تاجروں کی پشت پناہی حاصل ہے، اس لیے ماضی میں ان کے خلاف کوئی کارروائی کرنا ممکن نہیں تھا۔'' یو آر سی کی طرف سے چلائی جانے والی خطوط نویسی کی ایک مہم کے نتیجے میں ریلوے اور حکومت کے دوسرے اداروں کے دفاتر میں خطوں کی بھرمار ہوگئی۔ اس مہم میں پورے ایشیا سے رہائشی حقوق کی تنظیموں نے حصہ لیا اور حکومت سے یہ وعدہ لینے میں کامیاب ہوگئے کہ جب تک دوبارہ آبادکاری کا کوئی منصوبہ تشکیل نہیں پا جائے گا اس وقت تک مزید بے دخلیاں نہیں کی جائیں گی۔ دریں اثنا یو آر سی ریلوے آبادیوں میں رہنے والوں کی مدد سے ریلوے کی زمینوں پر رہنے والے خاندانوں کا تفصیلی سروے کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

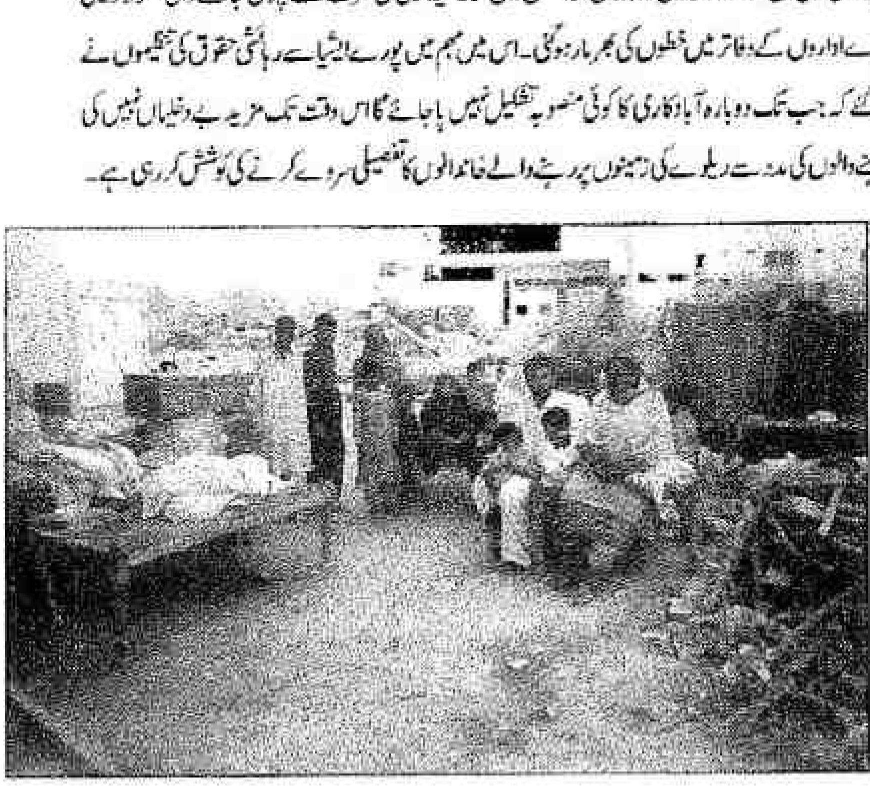

وفاقی وزیر برائے ماحولیات، مقامی حکومت، شہری ترقی کے ادارے اور دوسرے اعلیٰ حکام کی طرف سے یقین دہانیوں کے باوجود ریلوے نے اپنی زمینوں پر قائم کم آمدنی والی آبادیوں میں وسیع پیمانے پر انہدامی کارروائیاں شروع کر دی ہیں۔ ۸ اور ۹ جنوری کو کراچی کی ریلوے کالونیوں میں ۲۰۰ سے زائد مکانات منہدم کر دیے گئے۔ ان آبادیوں میں ریلوے کا نچلا عملہ، ان کے رشتہ دار اور دوسرے ملازمین جن میں چوکیدار، گھریلو ملازم، ڈرائیور، مالی وغیرہ رہتے ہیں۔

ریلوے کالونی: ایک خاندان اپنے تباہ شدہ مکان کے ملبے پر بیٹھا ہے

ریلوے آبادیوں کا پھیلاؤ

شہری آبادی اور فوج کے لیے ریلوے کی اہمیت کی وجہ سے اس کو لنڈی کوتل سے کیماڑی تک خالی زمین کے بے شمار قطعے بخش دیے گئے تھے۔ ملک میں تعمیراتی سرگرمیوں میں تیزی آنے کے بعد ریلوے حکام اور لینڈ مافیا کی ملی بھگت سے ان زمینوں کی خرید و فروخت کا کام شروع ہو گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب نیشنل لاجسٹک سیل اور غیر رسمی پرائیویٹ سیکٹر نے تجارتی سامان وغیرہ کی نقل و حمل کے کام پر قبضہ جمانا شروع کر دیا تھا۔ اس سے ریلوے کے بدعنوان حکام کو شہ ملی اور انھوں نے شہری حکام کی چشم پوشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے ادارے کی ملکیت زمینوں کے حصے بخرے کرنے شروع کر دیے۔

ریلوے کراچی ڈویژن کے پاس ۱۱۷۶۲٫۰ ایکڑ زمین ہے جس میں سے ۱۲۷۵ ایکڑ زمین ناجائز قابضین کے قبضے میں ہے۔ شہر کراچی میں پاکستان ریلوے ۱۱۲۹۰٫۲ ایکڑ زمین کی مالک ہے۔ اس میں سے ۱۱۹۵ ایکڑ پر تجاوزات قائم ہیں۔ پچھلے چند مہینوں میں فوج نے تقریباً ۱۹۱ ایکڑ زمین بازیاب کر لی ہے مگر ۱۰۰۴ ایکڑ زمین ابھی تک قابضین کے پاس ہے۔ اس میں وہ چار ریلوے آبادیاں شامل نہیں ہیں جن کو ۱۹۸۵ء میں باضابطہ بنایا گیا تھا۔ یہ تقریباً ۱۱۲۰ ایکڑ پر پھیلی ہوئی ہیں۔ ان چار کالونیوں میں کینٹ اسٹیشن کے نزدیک ہزارہ کالونی، ریتی لائنز کے نزدیک ہجرت کالونی، بلوچ کالونی کے نزدیک عمر کالونی اور لانڈھی کے پاس فیوچر کالونی شامل ہیں۔ چونکہ ان کالونیوں کے مکینوں کو مفت زمین دی گئی تھی اس لیے یہ سننے میں آیا ہے کہ حکومت ان سے معاوضہ وصول کرنا چاہتی ہے۔

کراچی میں پاکستان ریلوے کی زیادہ تر زمین، شیریں جناح کالونی، ڈرگ روڈ ریلوے اسٹیشن، کراچی کینٹ میں واقع حسن ہسپتال، لیاقت آباد، ملیر کینٹ کالونی، کیماڑی اور ریتی لائنز کے آس پاس واقع ہے۔

کراچی کینٹ میں زمین کا ایک بہت بڑا حصہ بھٹو حکومت کے زمانے میں کینٹ اسٹیشن کو ۱۶ پلیٹ فارموں پر مشتمل ایشیا کا سب سے بڑا ریلوے اسٹیشن بنانے کے ایک مجوزہ عظیم الشان منصوبے کی نذر ہو کر ضائع ہو گیا۔

واقعاتی مطالعہ

ڈرگ کالونی، ڈرگ روڈ پی اے ایف بیس ۲۰۰۰ء

یہ علاقہ ۱۹۶۵ء میں ریلوے کے کارکنان نے آباد کیا۔ ۲۳ نومبر ۲۰۰۰ء کو اس علاقے میں بے دخلی کی کارروائی ہوئی۔ یہ آبادی ریلوے ٹریک کے بہت قریب تھی اس لیے بہت غیر محفوظ تھی۔ ۲۰۰ مکان اور کچھ دکانوں کو مسمار کیا گیا۔ کچھ مکانات کو جزوی طور پر نقصان پہنچا، دو افراد زخمی ہوئے جن کو فوری طور پر ہسپتال لے جایا گیا۔ تمام گھر پکے بنے ہوئے تھے، کچھ صرف چھ فٹ اونچے تھے۔ یہاں کے اکثر مکین پنجاب چلے گئے مگر کچھ ابھی تک اسی علاقے میں ہیں۔

اس منصوبے کے سلسلے میں علاقے سے تجاوزات کو ہٹایا گیا اور متاثرین کو لانڈھی اور کورنگی میں آباد کیا گیا۔ لیکن اس منصوبے پر مزید کوئی کام نہیں کیا گیا اور فوج نے اس زمین کو قبضے میں لے لیا۔ یہاں پر زیادہ آمدنی والے لوگوں کے لیے عسکری اپارٹمنٹس کے نام سے ایک رہائشی عمارت تعمیر ہو گئی ہے۔ قانونی طور پر یہ زمین اب بھی ریلوے کی ملکیت ہے۔ اسی طرح ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی نے کورنگی روڈ کے ساتھ واقع ریلوے کی زمین پر، سڑکوں کی توسیع اور تعمیرات کے بہانے قبضہ کر لیا ہے۔

کراچی سرکلر ریلوے (KCR) گلشن اقبال میں واقع گیلانی ریلوے اسٹیشن کے آس پاس واقع ۵ بلین روپے مالیت کی ۱۳۔۱۶۳ ایکڑ زمین، ریلوے اور اس کے ۴۰۰ ملازمین کے ہاتھوں خرد برد ہوگئی۔ یہ زمین ۱۹۸۰ء میں ریلوے کی طرف سے سوسائٹی کو لیز پر دی گئی تھی۔ سپریم کورٹ کے فیصلے کے باوجود، ریونیو کے حکام نے مقامی ریلوے حکام کی چشم پوشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس زمین کا ایک حصہ بلڈرز کو الاٹ کردیا۔ اس سازش کو قانونی بنانے کے لیے ریلوے کے متعلقہ حکام نے لیز کے حقوق کو یہ کہتے ہوئے منسوخ کردیا کہ یہاں پر ایک بڑا ریلوے اسٹیشن تعمیر کیا جائے گا۔ مگر اس ریلوے اسٹیشن کا نقشہ اور دوسری تفصیلات کبھی جاری نہیں کی گئیں۔ توقع کے عین مطابق یہ زمین برائے نام قیمت پر بلڈرز کو دے دی گئی اور اب یہاں پر مکانات اور فلیٹ تعمیر ہو چکے ہیں جن کے نقشوں کی منظوری کے ڈی اے اور کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی سے نہیں لی گئی تھی۔ صرف اسی ایک وجہ سے ان تعمیرات، فیلا سینٹر، پناما سینٹر اور اون ہائٹس وغیرہ، کو غیر قانونی قرار دیا جاسکتا ہے۔ بلڈرز نے اس زمین کو ۴۰۰ روپے گز کے حساب سے خریدا حالانکہ بازار میں اس کی قیمت ۱۰،۰۰۰ مربع گز تھی۔

باتھ آئی لینڈ کے قریب ۱۱۳ ایکڑ زمین جو ۱۹۸۷ء میں سوسائٹی کو لیز پر دی گئی تھی، اس کے ایک بڑے حصے پر تجاوزات قائم ہو گئی ہیں، کیونکہ سوسائٹی کو اس زمین کا قبضہ نہیں دیا گیا تھا۔ بلڈرز مافیا کو ریلوے اور سوسائٹی کے اس تنازعے سے بہت فائدہ پہنچا ہے۔ ۱۲۱ ایکڑ مزید زمین ملیر لانڈھی سیکشن کے قریب سوسائٹی کو لیز پر دی گئی مگر پہلے کی طرح قبضہ نہیں دیا گیا۔ ایک دفعہ پھر بلڈرز نے اس موقعے سے فائدہ اٹھایا جس کی مثال فلک ناز پلازا کی صورت میں سامنے ہے۔

قانون کے مطابق ریلوے ٹریک کے دونوں طرف ۵۰ فٹ کا علاقہ خالی رہنا چاہیے اور اس پر کسی قسم کی تعمیرات نہیں کی جاسکتیں۔ تاہم مختلف مقامات پر ٹریک کے ساتھ ساتھ کچی آبادیاں قائم ہو چکی ہیں۔ یہ کہنا غلط بیانی ہوگا کہ لوگ ان غیر قانونی آبادیوں میں اس لیے رہنا چاہتے ہیں کہ انھیں زمین کے ساتھ بنیادی سہولتوں یعنی پانی، بجلی اور گیس وغیرہ کے پیسے نہ دینے پڑیں۔ مسئلہ صرف یہ ہے کہ وہ کس کس کو پیسے دیں اور آیا یہ ادائیگی قانونی ہوگی یا نہیں۔ چونکہ یہ آبادیاں غیر قانونی ہوتی ہیں اس لیے تمام رقمیں حکومت کو ملنے کے بجائے بدعنوان افسروں کی جیب میں جاتی ہیں۔ تقریباً تمام کچی آبادیوں میں بجلی کنڈا سسٹم کے تحت فراہم کی جاتی ہے اور یہ کام کے ای ایس سی کے افسران کو رشوت دیے بغیر انجام نہیں پاسکتا۔ اسی طرح پانی کی فراہمی بھی غیر قانونی طور پر بدعنوان افسروں کو رشوت دے کر عمل میں آتی ہے۔

کچی آبادیوں میں زمین کی خرید و فروخت کا ایک مخصوص طریقۂ کار ہے۔ اس نظام کے تحت لوگوں کا ایک گروہ مقامی پولیس اور متعلقہ حکام کی اعانت سے زمینوں پر قبضہ کرتا ہے اور پھر اس زمین کو خریداروں کے ہاتھ بیچتا ہے۔ ان پلاٹوں کی قیمت حکومت کی منظور کردہ رہائشی اسکیموں کے مقابلے میں بہت کم ہوتی ہے۔

نیا حکم

جنرل پرویز مشرف حکومت نے ۲۰۰۱ء میں حکم جاری کیا کہ کچی آبادیوں میں رہنے والے مستحق لوگوں کو جن کے پاس متبادل رہائش نہ ہو، بے دخل نہ کیا جائے۔ صوبائی حکومتوں کو مستحقین کی دوبارہ آبادکاری کے منصوبوں کو حتمی شکل دینے کی ہدایت کی گئی۔ بورڈ آف ریونیو، لینڈ کنٹرولنگ اینڈ اونگ ڈیپارٹمنٹ، شہری گورنمنٹ، آرمی مانیٹرنگ ٹیموں، وزارت ماحولیات، اور شہری ترقی کے ادارے کو دوبارہ آبادکاری کے سلسلے میں متعلقہ اداروں سے تعاون کرنے کی ہدایت کی گئی۔

تمام صوبائی حکومتوں اور متعلقہ وفاقی وزارتوں اور اداروں سے کہا گیا کہ وہ اس حکم پر عملدرآمد کے لیے ضروری کارروائی کریں۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ

حکومت کچی آبادیوں میں رہنے والوں کے مسائل حل کرنے میں واقعی دلچسپی رکھتی ہے۔ ایسی تمام کچی آبادیوں کو جو مقررہ شرائط پر پوری اترتی ہیں، باضابطہ قرار دے دیا جائے گا۔

جہاں ضروری ہو وہاں کچی آبادیوں میں رہنے والوں کو رعایتی قیمتوں پر متبادل پلاٹ مہیا کیے جائیں گے۔ حکومت نے ۲۳ مارچ ۱۹۸۵ء سے پہلے قائم ہونے والی کچی آبادیوں کو پہلے ہی باضابطہ بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ تقریباً ۳۰ سے ۵۰ فیصد شہری آبادی کچی آبادیوں میں رہتی ہے۔ حکومت نے اس مسئلے کو حل کے لیے ایک جامع پالیسی مرتب کی ہے۔

سرکاری زمین پر قائم آبادیوں کی حالت بہتر بنائی جائے گی۔ تاہم، ایسی کچی آبادیوں کو جو ندی نالوں، کے کناروں یا حساس تنصیبات کے قریب قائم ہوں، منتقل کر دیا جائے گا۔ ان آبادیوں کے مکینوں کو صوبائی حکومتوں اور زمین کی ملکیت رکھنے والے محکموں کی منتخب کردہ زمینوں پر ایک جامع منصوبے کے تحت منتقل طور پر مستقل کر دیا جائے گا۔

یہ زمینیں مفت نہیں دی جائیں گی بلکہ متاثرین کی استطاعت کے مطابق قیمتوں پر دی جائیں گی۔ ایسے تمام پلاٹ ۸۰ مربع گز کے اور دو کمروں، باورچی خانے، بیت الخلا اور پانی کی ٹنکی پر مشتمل ہوں گے۔ ان مکانات کی قیمت ۸۰،۰۰۰ روپے سے ۱۰۰،۰۰۰ روپے تک ہوگی۔ قبضہ ایک قسط کی ادائیگی کے بعد دیا جائے گا جس کی تفصیلات کو حتمی شکل دی جا رہی ہے۔ حکومت کا کہنا ہے کہ اس سے غریب لوگوں پر بوجھ نہیں پڑے گا کیونکہ خوشحالی بینک، زکوۃ فنڈ اور بیت المال کے ذریعے ان کی مالی اعانت کی جائے گی۔ اس منصوبے پر ۳۰ جون ۲۰۰۱ تک عملدرآمد ہو جانا تھا۔ تاہم، توقع کے عین مطابق، ابھی تک کچھ بھی نہیں کیا گیا ہے۔

حاشیہ:

ریلوے کی زمین کے بارے میں ان ذرائع سے معلومات فراہم ہوئی ہیں:

منزہ صدیقی۔ "آن دی رانگ ٹریک"، ڈان ریویو، ۲۵ جنوری ۲۰۰۱ء

محمد ریاض، "دوائنٹس ڈیبائڈ"، ڈان ریویو، ۲۵ جنوری ۲۰۰۱ء

۶

اختتامیہ

اقوام متحدہ کے ایک تخمینے کے مطابق دنیا بھر میں دس کروڑ سے زیادہ لوگوں کے پاس رہنے کی جگہ نہیں ہے اور ایک ارب سے زیادہ افراد کو ناکافی رہائش کی سہولت میسر ہے۔ دنیا بھر میں رہائشی سہولتوں کی قلت کا تناسب دیکھتے ہوئے یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ انسان کی بقا کے لیے رہائش بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ موزوں رہائش کے بغیر لوگوں کی ذاتی اور معاشی زندگی غیر متوازن ہو جاتی ہے۔ تاہم، بہت کم انسانی حقوق کی خلاف ورزی اتنی کثرت سے ہوتی ہے جیسے کہ رہائشی حقوق کی۔ اکثر غریبوں کے پاس سر چھپانے کی جگہ، پینے کے پانی، نکاسی اور فضلے کے اخراج کا مناسب بندوبست اور دوسری ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے کے ذرائع نہیں ہوتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بدترین رہائشی مسائل کا شکار ہوتے ہیں اور ساتھ ساتھ سب سے زیادہ بے دخلی کا نشانہ بھی بنتے ہیں۔

اندرونِ شہر کے پسماندہ علاقے، کچی آبادیاں، سر چھپانے کی جگہ نہ ہونا، اور شہروں کا تیزی سے پھیلنا، غریبوں کے رہائشی حقوق کو سنجیدگی سے لینے کے سلسلے میں حکومت کی نااہلی یا سرد مہری کا واضح ثبوت ہے۔ کسی قسم کی تادیبی کارروائی کے خوف کے بغیر غریبوں کو ان کے گھروں سے نکال باہر کیا جاتا ہے اور مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ شہر کے کناروں پر یا اس کی حدود سے باہر نئے سرے سے زندگی کا آغاز کریں۔ چونکہ جبری بے دخلیاں ایسے غریبوں کے خلاف عمل میں لائی جاتی ہیں جو بہتر رہائشی سہولتیں حاصل کرنے یا قانونی مدد حاصل کرنے سے قاصر ہیں، لہٰذا غریبوں کے حقوق کے تحفظ میں حکومت کی ناکامی کے باعث بے دخلیوں میں کمی ہونے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔

شہری علاقوں میں جبری بے دخلیاں اکثر و بیشتر، زیادہ آمدنی والے طبقوں کو رہائش فراہم کرنے کی غرض سے زمین منتقل کرنے، تجارتی منصوبوں کے لیے، سڑکوں یا بنیادی ترقیاتی ڈھانچے میں اضافے کے لیے کی جاتی ہیں، جس کا فائدہ مراعات یافتہ طبقے ہی کو ہوتا ہے۔ غریبوں کو اکثر شہر کی خوبصورتی بڑھانے کے پروگراموں کو عمل میں لانے کی غرض سے جبری طور پر بے دخل کر دیا جاتا ہے۔ ان کے پاس بے دخلی کی کارروائیوں کو روکنے، منتقلی میں مدد، متبادل رہائش یا معاوضے جیسی رعایات حاصل کرنے کے لیے مناسب قانونی مدد بھی نہیں ہوتی۔

ایسے ترقیاتی منصوبے جو لوگوں کو ان کی مرضی کے خلاف بے دخل کر دیتے ہیں، شدید معاشی، معاشرتی اور ماحولیاتی مسائل کو جنم دیتے ہیں۔ لوگ اپنے ذریعہ آمدنی اور اثاثوں سے محروم ہو جاتے ہیں اور ان کے آپس کے تعلقات اور مجموعی معاشرتی ڈھانچے پر برا اثر پڑتا ہے۔ جبری آبادکاری سے بھی لوگوں کے مسائل اور غربت میں اضافہ ہوتا ہے۔

متاثرین کو بااختیار بنانا

حکومت کو چاہیے کہ وہ سرکاری ترقیاتی منصوبوں، ان سے متعلق تمام تر منصوبہ بندی اور دوبارہ آبادکاری کے بارے میں متاثرین اور متعلقہ اداروں کو تمام ضروری معلومات فراہم کرے۔ لوگوں کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ بے دخلی کس مقصد کے تحت عمل میں لائی جا رہی ہے اور خالی کی جانے والی زمین سے کون فائدہ اٹھائے گا۔ بروقت اور متعلقہ معلومات حاصل ہونے سے لوگوں کو منظم ہونے میں مدد ملتی ہے۔ ایسے حکومتی منصوبے جن کی وجہ سے لوگوں کی بے دخلی کا امکان ہو،

ان کا مطالعہ کرنا اور ان کی موزونیت کے بارے میں سوال اٹھانا بہت ضروری ہے۔ اور متبادل منصوبے پیش کرنے سے رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کرنے کے عمل کو بہت تقویت پہنچتی ہے۔

صرف لوگوں کی بے دخلی کی بنیاد پر کسی منصوبے کی مخالفت کرنا مناسب نہیں ہے۔ یہ سمجھنا بہت اہم ہے کہ مجوزہ منصوبے کے ذریعے کس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، اور اس عمل سے مسئلہ حل ہوگا یا پریشانیاں مزید بڑھ جائیں گی۔ متبادل منصوبے بنانے کے عمل میں تمام متعلقہ لوگوں کی شرکت ہونی چاہیے۔

ان مسائل سے متعلق کارروائیوں میں اکثر طاقتور لابی کو کامیابی ہوتی ہے۔ کمزور کو ہتھیار ڈال کر بے دخل ہو جانا پڑتا ہے۔ انسانی حقوق، خاص طور سے رہائشی حقوق، کی خلاف ورزی کا خاتمہ کرنے کے لیے معاشرے کے مختلف طبقوں میں توازن قائم ہونا ضروری ہے۔ معاشرے کے کمزور طبقوں کو فیصلہ سازی کے عمل میں شریک کیا جانا چاہیے۔ اگر کمزور طبقوں کو اپنے مسائل اور ان کے حل کا صحیح ادراک ہو اور وہ قابل عمل منصوبے بنا کر پیش کریں تو فیصلہ سازی کا عمل ان کے حق میں ہو سکتا ہے۔

کم آمدنی والے طبقوں کو ان کی استطاعت کے مطابق رہائش فراہم کرنے کے سلسلے میں کوئی قابل ذکر کوشش نہیں کی گئی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق کم آمدنی والے طبقے کے لیے مختص کیے جانے والے ۲۰۰،۰۰۰ پلاٹ کراچی کی مختلف رہائشی اسکیموں میں خالی پڑے ہیں۔ ان اسکیموں میں شاہ لطیف ٹاؤن، سرجانی ٹاؤن، ہاکس بے، نیو ملیر اور اسکیم ۳۳ شامل ہیں۔ مزید کچی آبادیوں کے قیام کو روکنے کے لیے کم آمدنی والے طبقے کو یہ پلاٹ رعایتی قیمتوں پر الاٹ کیے جا سکتے ہیں۔ تاہم کے ڈی اے جیسے متعلقہ اداروں نے اس تجویز کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کی ہوئی ہیں۔ یہاں زمین کی کمی کا مسئلہ نہیں ہے۔ شہر سے باہر سیکڑوں ایکڑ سرکاری زمین خالی پڑی ہے جس کو مناسب منصوبہ بندی اور بنیادی سہولتوں کی فراہمی کے بندوبست کے بعد کم آمدنی والے طبقے کو الاٹ کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح نہ صرف حکومت کو آمدنی کا ایک ذریعہ مل جائے گا بلکہ مستقبل میں کچی آبادیوں کے قیام کے مسئلے کو بھی حل کیا جا سکتا ہے۔

جن منصوبوں میں لوگوں کو ان کے گھروں میں سے بے دخل کیا جائے، ان میں متبادل رہائش، روزگار اور بنیادی سہولتوں کی فراہمی کے ساتھ دوبارہ آبادکاری کی ضمانت دی جانی چاہیے۔ دوبارہ آبادکاری کے ایسے منصوبے تیار کرنا جن میں لوگوں کو متبادل رہائش، روزگار اور بنیادی سہولتوں کی فراہمی کی جائے، سرکاری ترقیاتی منصوبوں کو عمل میں لانے کا ایک انسانی اور رحم دلانہ طریقہ ہے۔ شہری ترقیاتی منصوبہ بندی صرف سڑکیں، پل اور دوسری عمارات تعمیر کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد عام لوگوں کی زندگی کو بہتر بنانا ہے۔

جبری بے دخلیوں کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے صرف شہری ترقی کے عمل کے ضمنی نتیجے کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ تاہم، کسی انسان کے سر پر اپنے مکان اور زمین سے جبراً بے دخلی کی تلوار ہر وقت لٹکتے رہنا بھی شدید ترین ناانصافیوں میں سے ایک ہے۔ جبری بے دخلی کی وجہ سے لوگوں کے مہینوں اور برسوں کی محنت سے بنائے ہوئے اثاثے، روزگار اور سماجی تعلقات گھنٹوں میں تہس نہس ہو جاتے ہیں۔ بجائے رہائشی مسائل کا حل پیش کرنے کے، حکومتیں جبری بے دخلیوں کے ذریعے اپنے شہریوں کو مزید عذاب میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ شہری علاقوں میں رہائشی مسائل کو حل کرنے کا یہ ہرگز قابل قبول طریقہ نہیں ہے۔

ضمیمہ ا

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین

مندرجہ ذیل شقیں رہائش اور جائیداد کے حقوق سے متعلق ہیں۔

(۱۴) انسان کی حرمت کا تقدس برقرار رکھنا، وغیرہ...

انسان کی حرمت، اور قانون کی حدود میں، گھر کی خلوت، کا تقدس برقرار رکھا جائے گا۔

(۲۳) جائیداد کے بارے میں شرائط — آئین اور مفادِ عامہ کے لیے قانون کی عائد کی ہوئی شرائط کی پابندی کرتے ہوئے، ہر شہری کو پاکستان کے کسی بھی حصے میں جائیداد خریدنے یا بیچنے کا حق حاصل ہے۔

(۲۴) جائیداد کے حقوق کی حفاظت —

(۱) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا سوائے قانون کے مطابق۔

(۲) کوئی جائیداد زبردستی حاصل یا تحویل میں نہیں لی جائے گی سوائے مفادِ عامہ کے، اور سوائے قانون کے تحت جس میں معاوضہ ادا کیا جاتا ہے، لہٰذا یا تو معاوضے کی رقم کا تعین ہوتا ہے یا جن اصولوں کے تحت معاوضے کا تعین اور ادائیگی ہوتی ہے۔ ان کی وضاحت کر دی جاتی ہے۔

(۳) .. اس آرٹیکل کا کوئی بھی حصہ مندرجہ ذیل کے جواز پر اثر انداز نہیں ہوگا:

- کوئی قانون جو ایسی جائیداد کے لازمی حصول یا تحویل میں لیے جانے کی اجازت دے، جس کی وجہ سے زندگی، جائیداد یا مفادِ عامہ کو خطرہ لاحق ہو یا
- کوئی قانون جو ایسی جائیداد کو تحویل میں لینے کی اجازت دے، جو کسی شخص کی تحویل میں ناانصافی سے آئی ہو یا اس نے غلط طریقے سے حاصل کی ہو، یا کسی بھی طرح غیر قانونی ہو یا
- کوئی قانون جو ایسی جائیداد کے حصول، بندوبست یا فروخت سے متعلق ہو، جو کسی قانون کے تحت دشمن کی جائیداد یا متروکہ جائیداد قرار پائے (جو ایسی جائیداد نہ ہو جو کسی قانون کے تحت متروکہ قرار پائے)؛ یا
- کوئی قانون جو حکومت کو محدود مدت کے لیے کسی جائیداد کے بندوبست کو اپنی تحویل میں لینے کی اجازت، مفادِ عامہ میں یا جائیداد کا مناسب بندوبست کرنے کی غرض سے یا اس کے مالکان کے فائدے کے لیے، دے یا
- کوئی قانون جو کسی قسم کی بھی جائیداد کو، مندرجہ ذیل مقاصد کے تحت تحویل میں لینے کی اجازت دے۔

(۱) شہریوں کے کسی خاص یا تمام طبقوں کو تعلیم اور طبی امداد فراہم کرنے کے لیے، یا

(۲) شہریوں کے کسی خاص یا تمام طبقوں کو سڑک، پانی کی فراہمی، نکاسی، گیس اور بجلی یا رہائش اور شہری سہولتیں فراہم کرنے کے لیے؛ یا

(۳) ایسے لوگوں کو گزارہ مہیا کرنے کے لیے جو، بیروزگاری، بیماری، کمزوری یا بڑھاپے کی وجہ سے اپنے لیے بندوبست کرنے سے قاصر ہوں۔

کوئی موجودہ قانون یا آرٹیکل ۲۵۳ کے بعد بننے والا قانون۔

(۴) اس آرٹیکل کی یا اس کے کسی قانون کے تحت دیے جانے والے معاوضے کی موزونیت کے بارے میں کسی عدالت میں سوال نہیں اٹھایا جا سکتا۔

ضمیمہ ۲

سندھ کچی آبادیز ایکٹ، ۱۹۸۷ء

کچی آبادی کے علاقوں کی ترقی، بہتری اور باضابطگی کے لیے شرائط طے کرنے کے لیے ایک بااختیار ادارہ قائم کرنے کا ایکٹ۔

(گزٹ آف سندھ، ایکسٹرا آرڈینری، پارٹ ۱۷، ۲۶ مارچ ۱۹۸۷ء)

No. PAS/Legis-B-1/87، بتاریخ ۱۹۸۷-۳-۲۶ سندھ کچی آبادیز ایکٹ ۱۹۸۷ء، سندھ اسمبلی سے ۱۹ فروری ۱۹۸۷ء کو سند پانے اور ۱۱ مارچ ۱۹۸۷ء کو گورنر سندھ سے منظوری پانے کے بعد، سندھ کی مجلس قانون ساز کے ایکٹ کے طور پر شائع کیا جا رہا ہے۔

تمہید: کچی آبادی کے علاقوں کی ترقی، بہتری اور باضابطگی کی موزوں شرائط طے کرنے کی غرض سے ایک بااختیار ادارہ قائم کرنے کے لیے۔

باب ۲
حکومتی مجلسِ عاملہ کے اختیارات اور آئمین کا قیام

بااختیار ادارے کا قیام۔ (۱)۔ اس ایکٹ کے مقاصد کی تکمیل کے لیے "سندھ کچی آبادیز اتھارٹی" کے نام سے ایک اتھارٹی کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔

(۲) یہ اتھارٹی ایک مشترکہ ذمہ داری کا ادارہ ہوگا، اور اس ایکٹ میں دیے گئے اختیارات کی مدد سے، منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد حاصل کرنے، رکھنے اور فروخت کرنے کا مجاز ہوگا۔

(۳) اتھارٹی کا ہیڈکوارٹر کراچی میں ہوگا۔

اتھارٹی کا انتظام: (۱)۔ اس اتھارٹی کے دائرۂ کار کی عمومی سمت اور اس کے معاملات کا انتظام ایک گورننگ باڈی کے سپرد ہوگا، جس کو اس اتھارٹی کے تحت دیے گئے تمام اختیارات استعمال کرنے کا حق ہوگا۔

(۲)۔ اپنے فرائض کی بجا آوری میں گورننگ باڈی، منصوبہ بندی، کچی آبادیوں میں آبادکاری اور دوبارہ آبادکاری کے ترقیاتی منصوبوں کے مسلمہ اصولوں پر عمل کرے گی۔ اور پالیسی کے بارے میں کسی قسم کے معاملات کے لیے وقتاً فوقتاً حکومت کی رہنمائی حاصل کرے گی۔

باب ۳
اتھارٹی کے اختیارات، فرائض اور اس کے اہلکار

۱۱۔ اتھارٹی کے اختیارات اور فرائض (۱) اس ایکٹ میں دیے گئے اختیارات کے تحت اتھارٹی، ایسے اختیارات کا استعمال اور ایسے فرائض کی بجا آوری کر سکتی ہے جو اس ایکٹ کے مقاصد کی تکمیل کے لیے ضروری ہوں۔

(۲) مندرجہ بالا اختیارات کی عمومیت میں کسی تعصب کے بغیر، اتھارٹی اپنی منشا سے:

(i) کچی آبادیوں کی باضابطگی اور ترقی و بہتری کے لیے حکومت کی بنائی ہوئی پالیسیوں کا نفاذ کر سکتی ہے۔

(ii) ایسی پالیسیوں پر متعلقہ اداروں سے عملدرآمد کرانے کے لیے ضابطے بنائے

(iii) ایسی کچی آبادیوں کی جن کو باضابطہ اور بہتر بنایا جا سکے اور ترقی دی جا سکے، اور ایسی کچی آبادیاں جن کو باضابطہ نہ بنایا جا سکے، کی نشاندہی کرے۔

(iv) کچی آبادیوں میں رہنے والوں کی مردم شماری اور مکمل سروے کرانے کا بندوبست کرے یا خود کرے، اور کچی آبادیوں کی باضابطگی، ترقی، اور بنیادی ترقیاتی ڈھانچے کی اصلاح کے لیے منصوبے بنائے یا بنانے میں مدد فراہم کرے۔

(v) کچی آبادیوں کے لیے ترقیاتی اور مالیاتی منصوبے بنائے اور ان کے عملدرآمد کے لیے حکمت عملی مرتب کرے۔

(vi) فنڈ کے استعمال کی نگرانی کرے۔

(۳) موجودہ قانون کے تحت مستقل نہ ہونے والی کچی آبادیوں میں تجاوزات کا خاتمہ کرے یا کروائے، اور بلا اجازت رہنے والے مکینوں کو بے دخل کرے یا کروائے۔

(۴) منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کو حاصل کرے، قبضہ و تسلط قائم رکھے، انتظام کرے اور بیچنے کا بندوبست کرے۔

(۵) اسکیمیں بنائے یا بنوائے اور ایسی اسکیموں پر عملدرآمد کرے یا کروائے۔

(۶) جہاں ضروری ہو، کچی آبادیوں یا وہ علاقے جو کچی آبادی کی حیثیت سے باضابطہ نہ ہو سکتے ہوں، وہاں سے منتقل ہوتے والوں کی دوبارہ آبادکاری کے لیے کم قیمت رہائش کا بندوبست کرے۔

(۷) معاہدوں میں فریق بنے اور ان پر عمل کرے۔

(۸) اس ایکٹ کے تحت کی جانے والی کارروائیوں کے اخراجات برداشت کرے۔

(۹) کونسلوں یا دوسرے متعلقہ اداروں کے ذریعہ کچی آبادیوں کے لیے شہری سہولتوں کا بندوبست کرے۔

(۱۰) اس اتھارٹی کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے ضروری اقدامات اٹھائے۔

باب ۴
کچی آبادیوں کا منشور اور زمین کا حصول

۱۹۔ کچی آبادی منشور: (۱)۔ سب سیکشن (۲) (۳) اور (۴) اور حکومت کی ہدایات (اگر ہوں) کے تحت اتھارٹی، ضروری تحقیقات کے بعد، آفیشل گزٹ میں نوٹیفکیشن کے ذریعے، کسی علاقہ یا اس کے کسی حصے کو جو مکمل یا جزوی طور پر ۲۳ مارچ ۱۹۸۵ء سے پہلے آباد ہوا ہو اور تا حال آباد ہو، کچی آبادی قرار دے سکتی ہے،

(۲) وفاقی حکومت کی ملکیت میں موجود کسی زمین کو بغیر وفاقی حکومت کی رضامندی حاصل کیے کچی آبادی نہیں قرار دیا جا سکتا۔

(۳) کسی شخص کی ذاتی ملکیت یا امداد باہمی کی سوسائٹی کی زمین کو بغیر اس شخص یا سوسائٹی کی اجازت کے کچی آبادی نہیں قرار دیا جا سکتا، اور اگر ایسی زمین پر کچی آبادی قائم ہو تو وہ اتھارٹی اور ایسے شخص یا سوسائٹی کے درمیان متفقہ شرائط کے تحت ہوگی۔

(۴)۔ حکومت کی ہدایات سے استثنا کے علاوہ، کوئی علاقہ جو، سڑکوں، گلیوں، پانی کی فراہمی کے بندوبست، نکاسی یا وسائل کے تحفظ کے دوسرے منصوبے، اسپتال، اسکول، کالج، لائبریری، کھیل کے میدان، باغ، مسجد، قبرستان، ریلوے، بجلی کے ہائی وولٹیج تار، اور اسی جیسے دوسرے مقاصد کے لیے مخصوص ہو یا سیلاب کے خطرے کی زد میں ہو، کو کچی آبادی نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔

(۵) کچی آبادی قرار دیا جانے والا کوئی بھی علاقہ، سب سیکشن (۳) میں مذکور معاہدے کے تحت اتھارٹی کے زیر اختیار ہوگا۔

(۶)۔ جہاں اتھارٹی کا یہ خیال ہو کہ سب سیکشن (۳) میں مذکور علاقے کو رضامندی یا معاہدے سے حاصل نہیں کیا جا سکتا، تو اس کو حیدرآباد ڈویلپمنٹ اتھارٹی ایکٹ ۱۹۷۶ء کی شرائط کے تحت، اس ایکٹ کے مقصد کے لیے، معاوضہ دے کر حاصل کیا جا سکتا ہے۔

باب۔ ۵
کچی آبادیوں اور اسکیموں کی ترقی، بہتری اور باضابطگی

۲۰۔ کچی آبادیوں کی ترقی اور بہتری۔ (۱) سب سیکشن (۲) کے تحت اور اس ایکٹ کی شرائط کے مطابق، اتھارٹی کچی آبادیوں میں ترقی، بہتری اور باضابطگی کی کارروائیاں کر سکتی ہے۔

(۲) اس ایکٹ کے نفاذ سے پہلے قائم شدہ کچی آبادیاں، ترقی، بہتری اور باضابطگی کے لیے اُن کونسلوں کی ذمہ داری ہوں گی جن علاقوں میں یہ قائم ہیں۔

(۳) اتھارٹی اگر چاہے تو کسی بھی وقت سب سیکشن (۲) میں مذکور کچی آبادیوں کو اپنی تحویل میں لے سکتی ہے، جس کے باعث کونسل کو تفویض شدہ اختیارات اور حقوق یا قانونی طور پر عائد ذمہ داریاں، حکومت کے فیصلے سے، اتھارٹی کو منتقل کیے جا سکتے ہیں۔

۲۱۔ اسکیمیں (۱) اتھارٹی کچی آبادیوں کی ترقی، بہتری، اور باضابطگی کے لیے اسکیمیں بنائے گی یا بنانے میں مدد کرے گی اور اس طرح بنائی جانے

والی اسکیمیں حکومت کو منظوری کے لیے پیش کی جائیں گی۔

(۲)۔ اسکیمیں مندرجہ ذیل سے متعلق ہو سکتی ہیں۔

(الف) آبادیوں کے امور کی منصوبہ بندی، رہائش، کم قیمت رہائشی منصوبے اور بہتری کے کام

(ب) کچی آبادیوں کے قانونی اور غیر قانونی مکینوں کی اسی علاقے میں یا اگر وہاں ممکن نہ ہو تو کسی اور علاقے میں آبادکاری۔

(پ) آبادی سے متعلق سہولتیں بشمول پانی کی فراہمی، نکاسی، بجلی کی فراہمی، گیس اور دوسری عوامی سہولتیں۔

(ت) سڑکوں اور گلیوں

(ٹ) پٹے کی شرائط بشمول میعاد طریق کار اور منتقلی کے حقوق

(ث) پٹے کی رقم اور ترقیاتی محصولات۔

(ج) اس ایکٹ کے مقاصد سے متعلق کوئی ضمنی موضوع یا معاملہ۔

(۳) حکومت، آفیشل گزٹ میں نوٹیفکیشن کے ذریعے سب سیکشن (۲) میں موجود موضوعات میں ترمیم یا تبدیلی کر سکتی ہے، اور ایسا کوئی اضافہ یا تبدیلی اُس طرح نافذ العمل ہوگا جیسے کہ یہ اس ایکٹ کا حصہ تھا۔

(۴) تمام اسکیمیں حکومت کے صراحت کردہ طریقہ کار اور ضابطے کے مطابق تیار کی جائیں اور دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ اُس میں مندرجہ ذیل معلومات شامل ہوں:

(الف) اسکیم کی تفصیلات اور اس پر عملدرآمد کا طریقہ کار

(ب)۔ اخراجات اور فوائد کا تخمینہ

(پ) اسکیم کے تحت مختلف مقاصد کے درمیان اخراجات کی تقسیم۔

(ت) ابتدا کی تاریخ

(ٹ) تکمیل کی تاریخ

(ث) کسی اسکیم کی منظوری کے بعد کسی بھی وقت، مگر اس کی تکمیل سے پہلے، حکومت اپنے طور پر یا اتھارٹی کی سفارش پر اس میں تبدیلی کر سکتی ہے۔

(ج) اتھارٹی، منظور شدہ اسکیم پر عمل کرے یا کروائے اور موجودہ قانون کے تحت ایسے اقدامات اٹھائے یا اختیارات کا استعمال کرے، مثلاً انسدادِ تجاوزات، جو کہ اس کے مقصد کی تکمیل کے لیے ضروری ہوں۔

مارشل لا آرڈر نمبر ۱۸۳

ہر گاہ، صوبہ سندھ میں کچی آبادیوں کی باضابطگی اور ترقی مصلحت کا تقاضہ ہے، لہٰذا، چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے جاری کردہ MLO ۴ کے بعد، لیفٹننٹ جنرل ایس ایم عباسی، مارشل لا ایڈمنسٹریٹر زون 'سی' نے مارشل لا آرڈر نمبر ۱۸۱ کو دوبارہ جاری کیا۔

(۱)۔ کونسل کی ایک قرارداد کے ذریعے حکومت سے اپنی، مقامی حکام یا حکومت کی ملکیت میں واقع علاقہ جو یکم جنوری ۱۹۷۸ء سے پہلے مکمل یا جزوی

طور غیر قانونی طور پر آباد تھا اور تا حال آباد ہے، کو کچی آبادی قرار دیے جانے کی درخواست کر سکتی ہے۔

(۲) حکومت اگر چاہے، تو اپنی دانست میں مناسب تحقیقات کے بعد، آفیشل گزٹ میں نوٹیفکیشن کے ذریعے، سب پیراگراف (۱) میں مذکورہ قرارداد میں شامل علاقے یا اُس کے کسی حصے کو کچی آبادی قرار دے سکتی ہے۔

(۳) حکومت اگر چاہے تو آفیشل گزٹ، میں نوٹیفکیشن کے ذریعے یا کسی علاقے یا اس کے کسی حصے کو، جو یکم جنوری ۱۹۷۸ء سے پہلے مکمل یا جزوری طور پر تجارتی یا صنعتی مقصد کے لیے آباد ہوا تھا اور تا حال آباد ہے، کو کچی آبادی قرار دے سکتی ہے۔

(۴) حکومت اگر چاہے، تو آفیشل گزٹ میں نوٹیفکیشن کے ذریعے، مالک کی اجازت سے ایسے کسی علاقے کو کچی آبادی قرار دے سکتی ہے، اور اس طرح قرار دی جانے والی کچی آبادی، ایسے کسی فرد یا حکومت کے درمیان طے پائی جانے والی شرائط کے تحت، اور اس آرڈر کی شرائط کے مطابق باضابطہ بنائی جا سکتی ہے اور اس کو ترقی دی جا سکتی ہے۔

(۵) اس آرڈر میں موجود شرائط کے علاوہ، کچی آبادی قرار دیے جانے والے کسی علاقے میں رہنے والے کسی شخص کو کوئی حقوق نہیں دیے جائیں گے۔

۳۔ (۱)۔ حکومت کی ہدایات کے علاوہ، کوئی علاقہ جو سڑکوں، گلیوں، پانی کی فراہمی کے بندوبست، نکاسی اور دوسرے وسائل کے بندوبست، اسپتال، اسکول، کالج، لائبریری، کھیل کے میدان، باغ، مسجد، قبرستان، ریلوے، بجلی کے ہائی وولٹیج تار اور اسی طرح کے دوسرے مقاصد کے لیے مخصوص ہو یا سیلاب کے خطرے کی زد میں ہو، کچی آبادی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

۴۔ (۲) کوئی علاقہ جو MLO ۶۷ اور MLO ۱۱۰ کے تحت کچی آبادی قرار دیا گیا ہو اس کو اس آرڈر کے تحت کچی آبادی قرار دیا ہوا سمجھا جائے گا، اور دوسرے احکامات کے تحت کیے گئے کسی اقدام یا کسی کاروائی کو اس آرڈر کے تحت سمجھا جائے گا۔

۵۔ کچی آبادی قرار دیا جانے والا کوئی علاقہ، سب پیراگراف (۴) اور پیراگراف ۳ میں مذکور کسی معاہدے کے تحت، باضابطگی اور ترقیاتی کاروائی کے لیے متعلقہ کونسل کی ذمہ داری ہوگا۔

۶۔ کچی آبادی میں، اس آرڈر کی شرائط وضوابط کی تعمیل میں، ترقیاتی سرگرمیاں اور باضابطگی متعلقہ کونسل کے ذریعے ہوگی۔

۷۔ (۱) حکومت کی ہدایات اور ضوابط کے تحت، جو اس آرڈر کی شرائط سے متصادم نہ ہوں، کونسل، کچی آبادیوں کی باضابطگی اور ترقی کے لیے اسکیم تیار کرے گی۔

(۲)۔ اسکیم مندرجہ ذیل کا بندوبست کرے گی۔

(الف)۔ کچی آبادیوں کے غیر قانونی مکینوں کی اُسی علاقے میں، اور جہاں یہ ممکن نہ ہو، کسی اور علاقے میں مقررہ رقبے کے پلاٹ الاٹ کر کے آبادکاری کرے گی۔

دستخط

لیفٹنٹ جنرل ایس ایم عباسی

مارشل لا ایڈمنسٹریٹر زون 'سی'

کراچی

بتاریخ: ۱۰ ستمبر ۱۹۸۲ء

۱۵-۱۰-۲۰۰۱ کچی آبادیوں کی منتقلی اور بہتری کے لیے کیے جانے والے پالیسی فیصلوں کا چیف ایگزیکٹو کی طرف سے اعلان:

۱۔قبل از ۱۹۸۵ء کی کچی آبادیوں کی باضابطگی اور ترقی کا کام موجودہ پالیسی ہی کے مطابق ہوگا۔

۲۔زمین کی ملکیت رکھنے والی ایجنسیاں ایسی تمام کچی آبادیوں کی فہرست بنائیں جو ۱۹۸۵ء سے پہلے قائم ہوئی ہوں۔

۳۔قبل از ۱۹۸۵ء کی کچی آبادیوں میں سے جن کی منتقلی کی ضرورت ہے، اُن کی نشاندہی کی جائے۔ یہ عمل صوبائی گورنروں اور متعلقہ وزارتوں کی مدد سے ۲۸ فروری ۲۰۰۱ تک مکمل کرلیا جائے گا۔

۴۔صوبائی گورنر، متعلقہ وزارتوں سے رابطے کے ذریعے، ترجیحاً شہروں اور بڑے قصبوں میں، ۲۸ فروری ۲۰۰۱ تک ایسی موزوں زمینوں کی نشاندہی کریں گے جہاں کچی آبادیوں سے بے دخل کیے جانے والوں کو منتقل کیا جاسکے۔

۵۔منتقلی کے لیے منتخب کی جانے والی کچی آبادیوں کے مکینوں کی دوبارہ آبادکاری کے منصوبے جون ۲۰۰۱ء کے اواخر تک تیار ہوجائیں گے۔

۶۔کیپٹل ڈویلپمنٹ اتھارٹی، اسلام آباد، ایک مثالی شہری رہائشی منصوبے کو اپریل ۲۰۰۱ء کے آخر تک حتمی شکل دے گی۔

۸۔قبل از ۱۹۸۵ء کی کچی آبادیاں جو برقرار رہیں گی اُن کی ترقی کے لیے، ڈائریکٹر جنرل سندھ کچی آبادی اتھارٹی کے تجویز کردہ ماڈل کو مدِنظر رکھتے ہوئے ایک منصوبہ بنایا جائے گا۔

۹۔وزارت ریلوے، وزارت رہائش، اور وزارت تعمیرات، کچی آبادیوں کی منتقلی، دوبارہ آبادکاری اور ترقی و بہبود سے متعلق معاملوں میں شامل ہوں گی۔

۱۰۔وزارت ریلوے ۱۹۸۵ء کی پالیسی کے تحت قبل از ۱۹۸۵ء کی کچی آبادیوں کو NOC جاری کرے گی، سوائے اُن کے جو مندرجہ بالا پیراگراف ۳ اور ۴ کے تحت منتقل کی جائیں گی۔

۱۱۔مستقبل میں، وفاقی اور صوبائی ترقیاتی اداروں کی طرف سے جاری کردہ تمام رہائشی پالیسیوں میں کم آمدنی والے طبقے کے لیے مناسب قیمتوں پر پلاٹ مختص کیے جائیں گے۔

۱۲۔صوبائی گورنر تمام متعلقہ اداروں کے نمائندوں پر مشتمل کمیٹیاں بنائیں گے جو ان فیصلوں پر عملدرآمد کرائیں گی۔ وفاقی وزیر ماحولیات، مقامی حکومت، اور شہری ترقی کا ادارہ، گورنر کے ساتھ اس معاملے میں تعاون کریں گے۔

ضمیمہ ۳

جبری بے دخلی سے متعلق بین الاقوامی معاہدے

۱۶ مئی ۱۹۹۷ کو یونائیٹڈ نیشنز کمیٹی آن اکنامک، سوشل اینڈ کلچرل رائٹس (UNCECR) نے جبری بے دخلیوں کی ایک عمومی تشریح کا انتخاب کیا۔ یہ کمیٹی دنیا بھر کے ممالک میں عالمگیر طور پر تسلیم شدہ اقتصادی، معاشرتی اور سماجی حقوق اور مسائل کی پابندی کیے جانے کا جائزہ لیتی ہے۔ یہ عمومی تشریح، اقتصادی، معاشرتی اور سماجی حقوق کے بین الاقوامی معاہدوں کی منشا، مطلب اور مضمون کے فہم کی وضاحت کا ایک ذریعہ ہے۔

عمومی تشریح نمبر ۷ (۱۹۹۷ء)

جبری بے دخلی: معاہدے آرٹیکل ۱۱(۱) موزوں رہائش کا حق۔

۱۔ عمومی تشریح نمبر ۴ (۱۹۹۱ء) میں کمیٹی کا یہ مشاہدہ تھا کہ تمام لوگوں کو جبری بے دخلی، ہراساں کیے جانے یا دوسرے خطرات کے خلاف کسی حد تک حق ملکیت کا قانونی تحفظ حاصل ہونا چاہیے۔ اس کے اخذ کردہ نتیجے کے مطابق جبری بے دخلیاں معاہدے کے مقاصد سے واضح طور پر غیر ہم آہنگ ہیں۔

۲۔ بین الاقوامی برادری نے بہت عرصے سے جبری بے دخلیوں کو ایک سنگین مسئلہ تسلیم کر لیا ہے۔ ۱۹۷۶ء میں انسانی آبادیوں کے متعلق وینکوور ڈیکلریشن میں کہا گیا 'انخلا کی بڑی کارروائیاں صرف اُس وقت عمل میں لائی جائیں جب تحفظ اور دوبارہ آبادکاری قابل عمل ہو اور منتقلی کا بندوبست کر لیا گیا ہو۔ ۱۹۸۸ء میں ۲۰۰۰ء کی گلوبل اسٹراٹیجی فار شیلٹر میں جنرل اسمبلی نے تسلیم کیا 'گھروں اور محلوں کو تباہ و برباد کرنے کے بجائے ان کی حفاظت اور بہبود، حکومتوں کی بنیادی ذمہ داری ہے۔'' منشور ۲۱ میں کہا گیا، 'لوگوں کو ان کے گھروں اور زمین سے جبری طور پر بے دخل کیے جانے کے خلاف قانونی تحفظ فراہم ہونا چاہیے۔ قدرتی یا اصلی علاقے میں رہائش کے منشور میں حکومتوں نے عزم کیا کہ 'انسانی حقوق کو مدنظر رکھتے ہوئے غیر قانونی جبری بے دخلیوں کے خلاف، لوگوں کو تحفظ اور قانونی مدد فراہم کی جائے گی۔ (اور جب بے دخلیاں ناگزیر ہوں تو جیسے بھی مناسب ہو، متبادل موزوں حل مہیا کرنے کا یقین دلایا ہے۔' انسانی حقوق کے کمیشن نے یہ بھی کہا ہے 'جبری بے دخلیاں انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیاں ہیں، اگرچہ یہ بیانات اہم ہیں، مگر یہ ایک بہت نازک مسئلے کو غیر حل شدہ چھوڑ دیتے ہیں: یعنی اُن حالات کا تعین جن کے تحت جبری بے دخلیوں کو جائز قرار دیا جائے۔ اور معاہدے کی متعلقہ شقوں پر عملدرآمد کے لیے جس طرح کا تحفظ درکار ہے اُس کی وضاحت۔

۱۵۔ جن مواقع پر بے دخلی کو جائز قرار دیا جائے، وہاں اس کو بین الاقوامی انسانی حقوق کی متعلقہ شقوں پر سختی سے عمل کرتے ہوئے اور معقولیت اور تناسب کے عمومی اصولوں کی مطابقت میں سرانجام دیا جائے۔

۱۶۔ بے دخلیوں کا نتیجہ اس صورت میں نہیں نکلنا چاہیے کہ لوگ بے گھر ہو جائیں یا دوسرے انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہو۔ جہاں متاثرین اپنی مدد آپ کرنے سے قاصر ہوں، وہاں حکومت کو تمام دستیاب وسائل بروئے کار لاتے ہوئے، موزوں متبادل رہائش، دوبارہ آبادکاری یا موزوں زمینوں تک رسائی کے لیے تمام ممکنہ اقدامات کرنے چاہئیں۔

۱۸۔ کمیٹی اس بات سے آگاہ ہے کہ مختلف ریاستوں کی حدود میں بین الاقوامی مالیاتی ایجنسیوں کی امداد سے چلنے والے ترقیاتی منصوبے اکثر جبری بے دخلی کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں کمیٹی، عمومی تشریح نمبر ۲ (۱۹۹۰ء) کا ذکر کرتی ہے جس میں کہا گیا 'بین الاقوامی مالیاتی ایجنسیوں کو بہت محتاط رہتے ہوئے ایسے منصوبوں میں شرکت سے گریز کرنا چاہیے جو، مثال کے طور پر، معاہدے کی شقوں کی خلاف ورزی میں گروہوں اور افراد کے خلاف تعصب کو ہوا دیں یا تقویت پہنچائیں، یا بغیر مناسب تحفظ اور معاوضے کے بڑے پیمانے پر جبری بے دخلیوں کے ذریعے لوگوں کو بے گھر کریں۔ ترقیاتی منصوبوں کے ہر مرحلے پر، معاہدے میں موجود تمام حقوق کی فراہمی کی یقین دہانی کرانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جانی چاہیے۔

جبری بے دخلیوں کو عمل میں لانا۔ ترقی کی بنیاد پر ہونے والی بے دخلیوں کے بارے میں انسانی حقوق کے جامع رہنما اصول ۱۱-۱۳ جون ۱۹۹۷ء جنیوا میں، جبری بے دخلیوں کو عمل میں لانے کے بارے میں ماہرین کے سیمینار میں منظور کیے گئے۔

انسانی حقوق کے بین الاقوامی چارٹر کے نتیجے میں قائم ہونے والے انسانی حقوق کے معیار۔ متعدد بین الاقوامی معاہدوں، قراردادوں، فیصلوں، عمومی تشریحات، احکامات اور کتب وغیرہ میں یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ جبری بے دخلیوں سے بین الاقوامی طور پر تسلیم شدہ انسانی حقوق کی وسیع پیمانے پر خلاف ورزیاں ہوتی ہیں۔

اکنامک اینڈ سوشل کونسل کے فیصلہ ۱۹۹۶/۲۹۰، کمیشن آن ہیومن رائٹس ریزولیشن ۱۹۹۳/۷۷، اور سب کمیشن آن پریونشن آف ڈسکریمنیشن اینڈ پروٹیکشن آف مائنورٹیز ریزولیشن ۱۹۹۶/۲۷، کی یاددہانی کرتے ہوئے۔

اس بات کا اظہار کیا کہ بین الاقوامی قانون کے تحت ہر ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ انسانی حقوق اور ان حقوق سے متعلق قوانین کی تکریم کو یقینی بنائے بشمول، خلاف ورزیوں کو روکنے کی یقین دہانی، خلاف ورزیوں کی تحقیقات، خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف مناسب اقدامات، اور متاثرین کے لیے متبادل حل اور معاوضے کے بندوبست، کا اظہار کیا کہ ترقی ایک جامع اقتصادی، معاشرتی، سماجی اور سیاسی عمل ہے، جس کا مقصد فرد اور معاشرے کی ترقی اور سہولتوں کی منصفانہ تقسیم کے عمل میں، آزاد، مستعد اور با مقصد شرکت کی بنیاد پر، ان کے حالات میں مستقل بہتری پیدا کرنا ہے۔

جب کہ، ویانا ڈیکلریشن نے واضح طور پر شرط مقرر کی، کہ جہاں ترقیاتی عمل تمام انسانی حقوق کی بہبود میں مدد فراہم کرتا ہے، وہاں ترقی میں کمی کو بین الاقوامی طور پر تسلیم شدہ انسانی حقوق میں کمی کرنے کی دلیل کے طور پر استعمال نہ کیا جائے۔

جبری بے دخلیوں کے وسیع پیمانے پر عملدرآمد کو تسلیم کرتے ہوئے، اور یہ کہ جب جبری بے دخلیاں عمل میں آتی ہیں تو ان کے پس منظر میں بے شمار وجوہات ہو سکتی ہیں، مثلاً: زمین کے حقوق پر تنازعہ، ترقیاتی اور بنیادی ڈھانچے سے متعلق منصوبے، مثال کے طور پر بند یا بجلی بنانے کے بڑے منصوبے، شہری تعمیر نو کے سلسلے میں زمین حاصل کرنے کا طریق کار، شہر کو خوبصورت بنانے کے پروگرام، زرعی یا چھوٹے شہری منصوبوں کے لیے زمین خالی کرانا، زمین کی سٹے بازی یا اولمپک کھیلوں جیسی کسی تقریب کا انعقاد۔

ارادی جبری بے دخلیاں معاشرتی تنازعات اور عدم مساوات میں بہت اضافہ کرتی ہیں اور انجام کار غریب ترین اور معاشرے کے اقتصادی اور معاشرتی طور پر کمزور ترین طبقوں، خاص طور سے عورتوں، بچوں اور مقامی آبادی کو متاثر کرتی ہیں۔

سیکشن ۳: مخصوص احتیاطی ذمہ داریاں

ریاستوں کو اس بات کی یقین دہانی کرانی چاہیے کہ جبری بے دخلیوں کے نتیجے میں کوئی فرد، گروہ یا آبادی بے گھر نہ ہو اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا شکار نہ ہو۔

سیکشن ۴: تمام انسانوں کے حقوق

مکان کی سلامتی

۱۸۔ تمام انسانوں کو معقول رہائش کا حق حاصل ہے، بشمول، مکان کی سلامتی کا تحفظ اور جائیداد سے متعلق وسائل تک راہداری، مکان اور اس کے مکینوں کو ہر قسم کے تشدد، تشدد کی دھمکیوں اور ہراساں کرنے کے دوسرے ہتھکنڈوں، خاص طور سے عورتوں اور بچوں کے خلاف سے تحفظ حاصل ہونا چاہیے۔

مزید، گھر اور اُس کے مکینوں کی خلوت یا تکریم میں کسی قسم کی غیر قانونی مداخلت نہیں ہونی چاہیے۔

سیکشن ۵: قانونی تدابیر

۲۱۔ بے دخلی کے خطرے کا شکار تمام افراد قطع نظر وجوہات با قانونی حقائق کو حق ہے:

(۱)۔ ایک قابل، غیر جانبدار، اور خود مختار عدالت یا ٹرابیونل کے سامنے پیشی۔

(۲)۔ قانونی وکیل، اور جہاں ضروری ہو، مناسب قانونی مدد۔

(۳)۔ موثر تدابیر۔

۲۷۔ تمام افراد، گروہوں اور آبادیوں کو موزوں دوبارہ آبادکاری بشمول، متبادل زمین یا رہائش جو محفوظ، قابل حصول، قابل استطاعت اور رہائش کے لائق ہو، کا حق حاصل ہے۔

۲۸۔ کسی متاثرہ فرد، گروہ یا آبادی کو انسانی حقوق کے حوالے سے ضرر نہیں برداشت کرنا پڑے گا۔ اور نہ ہی اُن کے حالات زندگی میں بہتری کے حق کی خلاف ورزی کی جائے گی۔ اس کا اطلاق دوبارہ آبادکاری کی جگہوں پر پہلے سے موجود آبادیوں اور بے دخلی سے متاثر ہونے والے افراد، گروہوں اور آبادیوں پر یکساں طریقے سے ہوتا ہے۔

(e) کہ متاثرہ افراد، گروہ اور آبادیاں، دوبارہ آبادکاری کے مقامات کے بارے میں اپنی مکمل اور بامعنی رضامندی ظاہر کریں گے۔ تمام ضروری سہولیات اور معاشی سرگرمیوں کے لیے مواقع مہیا کرنا ریاست کی ذمہ داری ہوگی۔

ضمیمہ ۴

بلڈنگ کنٹرول آرڈیننس

کراچی، اپریل ۱۳: حکومت سندھ کے ہاؤسنگ اور ٹاؤن پلاننگ ڈپارٹمنٹ نے سندھ ریگولیشن اینڈ کنٹرول (پلاٹوں کے استعمال اور عمارتوں کی تعمیر) آرڈیننس ۲۰۰۲ء کے تحت قوانین کا اعلان کیا ہے۔

یہ قانون جس میں جائیدادوں کی قیمتوں کی تعیین کیا گیا ہے، فوری طور پر نافذ العمل ہوگا۔ ان قوانین میں اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ مالک کی درخواست پر، متعلقہ بااختیار حکام، جس مقصد کے لیے گوشوارہ (۱) کے تحت فیس دے کر پلاٹ الاٹ کیا گیا ہو اُس کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے استعمال کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔

سندھ بلڈنگ کنٹرول آرڈیننس ۱۹۷۹ء کے ضوابط کے خلاف تعمیر ہونے والی کسی عمارت کو، مالک کی درخواست اور اس کی ساخت کے استحکام کے ثبوت کے لیے متعلقہ سٹرکچرل انجینئر سے تصدیق شدہ سند کی فراہمی، اور گوشوارہ ۲ میں درج فیس کی ادائیگی کے بعد متعلقہ بااختیار حکام کے ذریعہ باضابطہ

بنایا جا سکتا ہے۔

گوشوارہ۔۱: رہائشی پلاٹ کو تجارتی پلاٹ میں تبدیل کرنے کی فیس

قیمت کے جدول کے درجہ vi میں مذکور رقبے کے لیے	۵۵	روپے مربع گز
قیمت کے جدول کے درجہ v میں مذکور رقبے کے لیے	۸۵۰	روپے مربع گز
قیمت کے جدول کے درجہ iv میں مذکور رقبے کے لیے	۱۸۰۰	روپے مربع گز
قیمت کے جدول کے درجہ ۲ اور ۳ میں مذکور رقبے کے لیے	۳۵۰۰	روپے مربع گز
قیمت کے جدول کے درجہ ۱ اور A1 میں مذکور رقبے کے لیے	۴۰۰۰	روپے مربع گز

رہائشی پلاٹ کو صنعتی پلاٹ میں تبدیل تبدیل کرنے کی فیس

قیمت کے جدول کے درجہ vi میں مذکور رقبے کے لیے	۲۷۵	روپے مربع گز
قیمت کے جدول کے درجہ v میں مذکور رقبے کے لیے	۴۲۵	روپے مربع گز
قیمت کے جدول کے درجہ iv میں مذکور رقبے کے لیے	۹۰۰	روپے مربع گز
قیمت کے جدول کے درجہ ۲ اور ۳ میں مذکور رقبے کے لیے	۱۷۵۰	روپے مربع گز
قیمت کے جدول کے درجہ ۱ اور A1 میں مذکور رقبے کے لیے	۲۰۰۰	روپے مربع گز

صنعتی پلاٹ کو تجارتی پلاٹ میں تبدیل کرنے کی فیس

قیمت کے جدول کے درجہ vi میں مذکور رقبے کے لیے	۴۱	روپے مربع گز
قیمت کے جدول کے درجہ v میں مذکور رقبے کے لیے	۶۳۸	روپے مربع گز
قیمت کے جدول کے درجہ iv میں مذکور رقبے کے لیے	۱۳۵۰	روپے مربع گز
قیمت کے جدول کے درجہ ۲ اور ۳ میں مذکور رقبے کے لیے	۲۶۲۵	روپے مربع گز
قیمت کے جدول کے درجہ ۱ اور A1 میں مذکور رقبے کے لیے	۳۰۰۰	روپے مربع گز

مندرجہ بالا کے علاوہ، پلاٹ جس مقصد کے لیے الاٹ کیا گیا ہو اُس کے علاوہ بلا اجازت کسی اور مقصد کے لیے استعمال کرنے پر ۱۰۰ فیصد جرمانہ ہوگا۔

گوشوارہ۲: سندھ بلڈنگ کنٹرول آرڈیننس ۱۹۷۹ء کے ضوابط کے خلاف تعمیر ہونے والی عمارت کو باضابطہ بنانے کی فیس:

سندھ ریگولیشن اینڈ کنٹرول (پلاٹوں کے استعمال اور عمارتوں کی تعمیر) آرڈیننس کے اجراء سے فوراً پہلے قابل ادائگی کمپوزیشن فیس میں، قیمتوں کے جدول میں مختلف علاقوں کی درجہ بندی کے حساب سے ۵۰ فیصد سے ۳۰۰ فیصد تک اضافہ۔

قیمتوں کے جدول کے درجہ VI میں مذکور رقبے کے لیے	۵۰	فیصد
قیمتوں کے جدول کے درجہ V میں مذکور رقبے کے لیے	۷۵	فیصد
قیمتوں کے جدول کے درجہ IV میں مذکور رقبے کے لیے	۱۵۰	فیصد
قیمتوں کے جدول کے درجہ ۲ اور ۳ میں مذکور رقبے کے لیے	۲۵۰	فیصد
قیمتوں کے جدول کے درجہ ۱ اور A1 میں مذکور رقبے کے لیے	۳۰۰	فیصد

مندرجہ بالا کے علاوہ جہاں اضافی منزل کی ضابطگی کا معاملہ ہو، وہاں باضابطہ کی جانے والی منزل کے کل رقبے کے لیے ۵۰ مربع گز کے حساب سے ادائیگی ہوگی۔ PPI روزنامہ ڈان (۱۲/۴/۲۰۰۲)

ضمیمہ ۴

لیاری ایکسپریس وے

انجمن تحفظ کباڑیان، لیاری کے ایک اندازے کے مطابق لیاری ایکسپریس وے کی تعمیر سے مندرجہ ذیل نقصانات ہوں گے:

۱۔ ۳۶۰۰ تجارتی یونٹ منہدم کیے جائیں گے (کباڑی: ۱،۴۴۰، دوبارہ قابل استعمال بنانے کے لیے یونٹ رصنعتیں: ۵۴۰، گودام: ۳۶۰، دھوبی: ۵۴۰، دوسرے: ورکشاپ، چھوٹی دکانیں تھڑے، کچرا چننے کی جگہیں، فرنیچر مارکیٹ، پھول فروش وغیرہ: ۷۲۰)

۲۔ ۲۰۳،۲۰۰ کی آبادی پر مشتمل ۲۵،۴۰۰ رہائشی یونٹ

پیشہ ور ماہرین کی تشویش

بے شمار شہری منصوبہ ساز اور پیشہ ور ماہرین لیاری ایکسپریس وے کو نہ صرف غیر ضروری بلکہ شہر کے لیے تباہ کن سمجھتے ہیں۔ ان کی پیش کردہ وجوہات درج ذیل ہیں۔

۱۔ ایم اے جناح روڈ اور ایسٹ ایونیو کے درمیان کے علاقے میں اولڈ ٹاؤن کوارٹرز، نیپیئر کوارٹرز، بوہرہ پیر، رنچھوڑ لائن، لیاری، کھڈہ، چاکیواڑہ اور شیر شاہ کی آبادیاں شامل ہیں۔ ان علاقوں کے بیحد گنجان ہونے کی وجہ تجارتی سرگرمیاں ہیں جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس حد تک بڑھ چکی ہیں کہ اب مزید پھیلنے کے لیے جگہ باقی نہیں رہی۔ نتیجے کے طور پر یہ کاروبار گلیوں اور فٹ پاتھوں پر پھیل رہے ہیں۔ انھوں نے تمام کھلے علاقوں اور شہری سہولتوں کی جگہوں پر بھی قبضہ جمالیا ہے۔ آبادی کے گنجان ہونے کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بعض علاقوں میں ۱۱۸۰۰ افراد فی ایکڑ تک ہیں۔ یہ تجارتی سرگرمیاں، اناج مارکیٹ، کیمیکل مارکیٹ، دھاتوں کی مارکیٹ، سوکھے کچرے کو قابل استعمال بنانے کی صنعت، ماربل کی صنعت، سوکھا کچرا چننے کے علاقے، اور گاڑی کے پرانے پرزوں کی خرید و فروخت پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے بیشتر سرگرمیاں ماحولیاتی آلودگی میں بے حد اضافہ کررہی ہیں جس کی وجہ سے بیماریوں کے واقعات بڑھ رہے ہیں۔ حال ہی میں کیمیکل مارکیٹ کی وجہ سے ہونے والی آلودگی کے سبب چھ بچوں کی موت واقع ہوگئی۔ جگہ کی کمی کے باعث یہ سرگرمیاں لیاری کوریڈور تک پھیل گئی ہیں۔ ان سرگرمیوں کے سلسلے میں گوداموں اور ٹرانسپورٹ کے اڈوں کے لیے بھی جگہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ تمام

سہولتیں ایم اے جناح روڈ اور ایسٹ ایونیو کے درمیان واقع آبادیوں اور اردگرد کی سڑکوں پر بے ضابطہ حیثیت میں فراہم کی جاتی ہیں۔ اس وسیع علاقے کے جنوبی حصے میں کراچی کی بیشتر تاریخی عمارتیں موجود ہیں جو کہ مندرجہ بالا صورتحال کی وجہ سے تباہ ہو رہی ہیں۔ یہ صورتحال علاقے کے شہریوں کے لیے بیحد تشویش کا سبب ہے کیوں کہ یہ ٹریفک میں بے تحاشا اضافے اور شہر بھر میں ماحولیاتی آلودگی کی ذمہ دار ہے۔

۲۔ لیاری ایکسپریس وے مندرجہ بالا میں سے کوئی بھی مسئلہ حل نہیں کرتا ہے۔ بلکہ نئے مسائل پیدا کرتا ہے، جیسے کہ:

(۱) یہ بندرگاہ اور تھوک مارکیٹ سے متعلق بھاری ٹریفک کی آمد و رفت کا ذریعہ بن جائے گی۔ دنیا کے تمام شہروں میں، فضائی اور شور کی آلودگی اور ٹرانسپورٹ اور بار برداری سے متعلق سرگرمیوں کے لیے جو رہائشی علاقوں کے ماحول کے لیے تباہ کن ہوں، شہروں کے گرد متبادل راستے استعمال کیے جاتے ہیں۔

(۲) لیاری ایکسپریس وے کے منصوبے کے لیے جو زمین خالی کرائی جائے گی وہ بالآخر گوداموں اور صنعتوں کے قیام کے لیے استعمال ہوگی کیوں کہ ان سرگرمیوں کے فروغ کے لیے الگ سے کوئی جگہ نہیں فراہم کی جا رہی ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ایسی بے شمار عمارتوں کو ایکسپریس وے کی تعمیر کے سلسلے میں منہدم کر دیا جائے گا۔

(۳) لیاری ایکسپریس وے اور ناردن بائی پاس کم و بیش ایک ہی مقام پر شروع اور ختم ہوتے ہیں۔

اربن ریسورس سینٹر کی تشویش اور تجاویز، ۲۶ فروری ۲۰۰۲ء

لیاری ایکسپریس وے کے منصوبے نے بڑے تنازعے اور بحث مباحثے کو جنم دیا ہے۔ اس منصوبے کی تعمیر شروع کرنے سے پہلے عوام سے مشاورت ہونی چاہیے تھی۔ اس طرح کی مشاورت اس لیے اہم ہے کہ کراچی کے بہت سارے منصوبے، شہریوں کے گروہوں اور پیشہ ور ماہرین کے تجزیے کے عین مطابق تباہ کن ثابت ہوئے ہیں۔ مجوزہ ایکسپریس وے کی منصوبہ بندی اور عملدرآمد کے معاملے میں شکوک و شبہات سخت تشویش کا باعث ہیں۔ لیاری ایکسپریس وے کا منصوبہ ۱۹۹۳ء سے زیر غور ہے۔ متعلقہ ماہرین اور NGOs نے بارہا کہا ہے کہ بھاری ٹریفک کو شہر کے درمیان سے گزرنے کے بجائے باہر سے گھوم کر جانا چاہیے کیوں کہ یہ مرکز شہر کی ماحولیاتی آلودگی میں اضافے کا باعث بنے گا۔ انھوں نے اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی نے اپنے ڈیفنس، ہاؤسنگ اتھارٹی کے درمیان سے گزرنے والے جنوبی بائی پاس کی تعمیر رکوا دی ہے۔ انھوں نے اس طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ جب سے بھاری ٹریفک خیابان رومی اور سن سیٹ بلے وارڈ سے گزرنا شروع ہوا ہے، اس علاقے کے لوگوں کی زندگی پر منفی اثر پڑا ہے اور چوراہوں میں موجود گھاس کے سرسبز قطعے جو پہلے لوگوں سے بھرے نظر آتے تھے اب سنسان پڑے رہتے ہیں۔

انھوں نے مزید کہا کہ دنیا کے بہت سارے شہروں میں اس طرح کے ایکسپریس وے پر بھاری ٹریفک کی آمد و رفت بند کر کے صرف ہلکی ٹریفک چلنے کی اجازت دی گئی ہے یا ماحولیاتی آلودگی میں تخفیف کے اقدامات کیے گئے ہیں (مثلاً ایاض، بوسٹن، بینکاک) اور ایکسپریس وے کے مخالفین نے شمالی بائی پاس کی تعمیر کی حمایت کی ہے۔

کراچی شہر کے ایسے بہت سے منصوبے جو ناکام اور تباہ کن ثابت ہوئے اور جن کی منصوبہ بندی اور عملدرآمد میں عوام کے مشوروں سے استفادہ نہیں کیا گیا، اس طرح کے کچھ منصوبوں کی فہرست مندرجہ ذیل ہے:

میٹروول: اس منصوبے کے آغاز پر خدشے کا اظہار کیا گیا تھا کہ اس میں شامل پلاٹ عوام کے مطلوبہ طبقے کو نہیں ملیں گے بلکہ مالی طور پر آسودہ لوگ ان رعایتی پلاٹوں کو حاصل کر لیں گے — دو مکمل اور ایک نصف میٹروول تعمیر کرنے کے بعد اس منصوبے پر مزید کام روک دیا گیا۔ اختلاف رائے کرنے والے ماہرین کی بات درست ثابت ہوئی۔

لائنز ایریا ری ڈویلپمنٹ پراجیکٹ: ماہرین نے اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ یہ منصوبہ علاقے کو اندرون شہر کے پسماندہ علاقے میں تبدیل کر دے گا اور نہ شہر کو اس سے کوئی فائدہ پہنچے گا اور نہ ہی علاقے کے شہریوں کو۔ متبادل منصوبے پیش کیے گئے مگر حکام نے اُن پر کوئی توجہ نہ دی۔ لائنز ایریا اس وقت کراچی کا سب سے بڑا سلم ہے، جغرافیائی طور پر بھی اور معاشرتی طور پر بھی۔

گریٹر کراچی سیوریج پلان: اس منصوبے پر ایشین ڈویلپمنٹ بینک نے سرمایہ کاری کی، جس کے نتیجے میں KWSB تقریباً ۴۲ بلین روپوں کا مقروض ہو گیا، جو بالآخر شہر کراچی کو ادا کرنے پڑیں گے۔ تاہم، اس منصوبے پر عملدرآمد کے بعد بھی کراچی میں گندے پانی کی نکاسی کا مسئلہ حل نہیں ہوا ہے۔ سیوریج کے پانی کو صاف کرنے کا پلانٹ گنجائش سے صرف ۲۰ فیصد کام کرتا ہے۔

یہ منصوبہ بری طرح ناکام ہوا جس کا اعتراف ADB نے بھی کیا۔ اس کے نتیجے میں ۲۰۰ ملین روپے برباد ہوئے۔ اورنگی پائلٹ پروجیکٹ ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹیٹیوٹ (OPP-RTI) نے اس اسکیم کے متبادل کے طور پر جو منصوبے پیش کیے اُن کو مسترد کر دیا گیا۔ تاہم، ان ہی منصوبوں پر اورنگی میں بڑی کامیابی سے عملدرآمد ہوا، جس کا اعتراف ADB نے اپنی رپورٹوں میں کیا ہے۔

کراچی ڈویلپمنٹ پلان: UNDP نے کراچی ڈویلپمنٹ پلان کا جائزہ لینے کے لیے ایک ٹیم کا تقرر کیا تھا۔ اُس نے اس پلان کو ناقابلِ عمل قرار دیا اور اس کی تمام وجوہات بھی بیان کیں۔ اس ٹیم کی سفارشات پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ ۳۲۰ ملین روپے کی لاگت کے اس منصوبے پر عملدرآمد نہ ہوا اور اس سلسلے میں خریدا گیا بیش قیمت سامان پڑے پڑے برباد ہو گیا۔

کراچی ماس ٹرانزٹ پروجیکٹ (KMTO): کراچی ماس ٹرانزٹ پراجیکٹ پر شہریوں اور ماہرین کے اعتراضات کے بعد اس منصوبے میں ترامیم کی گئیں اور اس امر کی طرف توجہ دلانے کے بعد کہ سرکلر ریلوے ان میں سے کچھ کوریڈورز کے متوازی چلتی ہے اور اگر اس کو دوبارہ شروع کر دیا جائے تو ان کوریڈورز کی ضرورت نہیں رہے گی، مجوزہ سات ماس ٹرانزٹ کوریڈورز کی تعداد کم کر کے تین کر دی گئی۔ اس کے علاوہ شہریوں کی مداخلت کی وجہ سے، ایم اے جناح روڈ کے ایک حصے سے متصل، ٹرانزٹ وے (transitway) کی چوڑائی کم کر دی گئی جس کی وجہ سے ماحولیاتی صورت حال بہتر ہوئی۔ اب یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ کراچی سرکلر ریلوے اور اس کے توسیعی حصے، ماس ٹرانزٹ کا ایک قابلِ عمل، سستا اور ماحول کے لیے بہتر متبادل ہیں۔

گلشن فلائی اوورز: شہریوں نے حکومتِ سندھ اور اُس وقت کے ایڈیشنل سیکریٹری کی توجہ اس امر کی طرف دلائی کہ ریلوے ٹریک کو زیرِ زمین یا اوپر بنانے سے ایک فلائی اوور کی ضرورت نہیں رہے گی اور منصوبے کے اخراجات تخمینے سے بہت کم ہو جائیں گے۔ اگر یہ تجویز منظور ہو جاتی تو بڑا فلائی اوور تعمیر نہ کیا جاتا جس کی وجہ سے پیدل چلنے والوں کو سہولت ہوتی، ماحولیاتی بہتری ہوتی اور ظاہری خوبصورتی میں اضافہ ہوتا۔

شفافیت

عوامی مشاورت کی غیر موجودگی میں، منصوبہ سازی اور عملدرآمد کا عمل غیر واضح اور غیر شفاف ہے، اور مندرجہ ذیل نکات سے یہ بات ظاہر ہے:

۱۔متاثرین کو منصوبے کے متعلق ضروری معلومات فراہم نہیں کی گئی ہیں، لہٰذا اُن میں سے بے شمار لوگوں کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ وہ متاثر ہوں گے یا نہیں۔

۲۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایکسپریس وے کے منصوبہ سازوں کو درج بالا مسائل کا ادراک نہیں ہے کیوں کہ منصوبہ بندی کے مکمل ہونے سے پہلے ہی انہدامی کاروائیاں شروع ہو گئی تھی۔

۳۔صدرِ پاکستان نے ہدایات جاری کی تھیں کہ متاثرین کو انھی زمینوں پر آباد کیا جائے جو ایکسپریس وے کی تعمیر کے سلسلے میں حاصل کی گئی ہو۔ اس کے باوجود متاثرین کو دور دراز لے جا کر آباد کیا جا رہا ہے۔

۴۔کراچی کے ناظم نے دعویٰ کیا ہے کہ ایکسپریس وے کے سلسلے میں حاصل کی جانے والی زمین کو پارکوں میں تبدیل کر دیا جائے گا اور اسے تجارتی آبادکاروں (بلڈر مافیا) کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اس زمین کو ترقیاتی منصوبوں کے لیے استعمال کیا جائے گا، جو کہ تضاد بیانی ہے۔ ایک تخمینے کے مطابق دوبارہ حاصل کی جانے والی یہ زمین ۸۰ ملین مربع گز ہے۔

۵۔جنگ فورم میں اعلیٰ سرکاری حکام اور ایکسپریس وے کے منصوبے سے متعلق مشیروں نے ایکسپریس وے پر بھاری ٹریفک کی آمد و رفت کی اجازت ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں متضاد بیانات دیے۔

دوبارہ آبادکاری

حکومت کے تخمینے کے مطابق تقریباً ۱۳،۵۳۱ رہائشی یونٹ اور ۱،۲۲۲ تجارتی یونٹ منہدم کیے جا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ۵۸ عبادت گاہیں بھی اس منصوبے کی نذر ہوں گی۔ ۱۳۲۸ کثیر منزلہ عمارتیں جن میں ۳۱ عدد پانچ منزلہ عمارتیں ہیں، ایکسپریس وے کے راستے میں آتی ہیں۔

حکومت کا اندازہ ہے کہ ۱۸۱،۵۳۰ افراد کی زندگی متاثر ہوگی۔ تاہم علاقے کے ۴۶ مقامی تنظیموں کی نمائندہ تنظیم لیاری ندی ویلفیئر ایسوسی ایشن کے تخمینے کے مطابق ۲۵،۴۰۰ گھر اور ۳۶۰۰ کاروباری یونٹ متاثر ہوں گے۔ اس بے دخلی کی وجہ سے گھروں، بچوں کی تعلیم اور روزگار کے ذرائع کی ایک کثیر تعداد پر منفی اثر پڑے گا۔ ایسوسی ایشن کے اندازے کے مطابق ۲۰۰،۰۰۰ خاندان متاثر ہوں گے۔ متاثرین کی اکثریت یا تو اسی علاقے میں کچرا چننے اور جمع کرنے کا کام کرتی ہے یا پھر قریب کے علاقوں میں مزدوری کرتی ہے۔ کچرا جمع کرنے اور چننے کی صنعت، ندی کے شمالی کنارے پر قائم ری سائیکلنگ کی صنعت کو خام مال فراہم کرتی ہے۔ یہ صنعت کراچی کے لیے بہت اہم ہے کیوں کہ یہ شہر کے ۳۰ فیصد کچرے کو دوبارہ قابل استعمال بناتی ہے۔

حکومت متاثرین کو بلدیہ ٹاؤن، تیسر ٹاؤن، سرجانی اور ہاکس بے میں فی متاثرہ خاندان ۸۰ گز پلاٹ کی پیشکش کر رہی ہے۔ دوبارہ آبادکاری کے لیے ۱۶۰۰ ایکڑ زمین کی ضرورت ہوگی۔ ان متبادل علاقوں میں فراہمی و نکاسی آب، سڑکوں، بجلی، معاشرتی سہولتوں اور روزگار کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔ بے شمار مثالیں ایسی ہیں کہ لوگوں کو ماضی کی دوبارہ آبادکاری کی اسکیموں میں جو پلاٹ الاٹ ہوئے تھے ان کا قبضہ ابھی تک نہیں ملا، جس کی وجوہات بتانے سے حکام قاصر ہیں۔ کراچی میں، ماضی میں بے دخل کیے جانے والوں (مثلاً: لائنز ایریا) کو پلاٹوں کی پرچیاں دی گئی تھیں اور ان کی بنیاد پر پلاٹ دینے کا وعدہ کیا

گیا تھا۔ دس سال گزرنے کے باوجود ان لوگوں کو پلاٹ نہیں ملے ہیں، اور ان پرچیوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ، تجربے سے یہ ثابت ہے کہ کراچی کے ترقیاتی اداروں کو ۱۶۰۰ ایکڑ زمین کو آبادکاری کے قابل بنانے کے لیے پانچ سے دس سال کا عرصہ درکار ہوگا۔

دوبارہ آبادکاری کا ایک ایسا منصوبہ جس میں گھروں، روزگار اور معاشرتی سہولتوں کی ضمانت دی گئی ہو لیاری ایکسپریس وے کے منصوبے کا ایک اہم جزو ہونا چاہیے تھا۔ دوبارہ آبادکاری کا ایک مناسب منصوبہ جزوی نجی سرمایہ کاری کے ذریعے عمل میں لایا جاسکتا تھا اور بڑھتی ہوئی بے دخلی، بیروزگاری اور معاشی بحران کے اس دور میں ۲۵،۰۰۰ خاندانوں اور کاروباروں کو اپنی رہائشی حالات، تعلیم صحت اور معاشی صورت حال بہتر بنانے کا موقع فراہم کیا جاسکتا تھا۔ شہری منصوبہ بندی کا مقصد صرف سڑکیں تعمیر کرنا نہیں ہے بلکہ روزگار کے بہتر مواقع مہیا کرنا اور معاشرتی تعلقات کو بہتر بنانا ہے۔ برسوں سے جاری ناانصافیوں کو دیکھتے ہوئے شہری منصوبہ سازوں کو اب تک سبق سیکھ لینا چاہیے تھا۔

لیاری ایکسپریس وے اور متصل علاقے

لیاری ایکسپریس وے کی تعمیر لیاری کوریڈور سے متصل علاقوں کے مسائل نہیں حل کرے گی۔ ان علاقوں کے مسائل درحقیقت پورے کراچی کے مسائل ہیں۔ یہ مسائل مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ ایم اے جناح روڈ اور ایسٹ ایونیو۔ سائٹ کے درمیان، شیرشاہ، چاکیواڑہ، کھڈہ، لیاری، کھارادر، میٹھادر، بوہرہ پیر، رنچھوڑ لائن، ودہل کوارٹرز اور شہر کے کئی دوسرے پرانے علاقے واقع ہیں۔

۲۔ یہ علاقے کراچی کے گنجان ترین آبادی والے علاقوں میں سے ہیں اور ماحولیاتی آلودگی کے اعتبار سے بڑی بری حالت میں ہیں، جس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ان علاقوں میں کراچی کی قدیم صنعتیں اور بازار قائم ہیں۔ ماضی میں یہ کاروبار ایک مختصر علاقے میں قائم تھے اور باقی علاقہ رہائشی تھا۔ مگر ایک بڑھتے ہوئے شہر کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے یہ کاروبار بڑھتے بڑھتے پورے علاقے میں پھیل گئے۔

(۲) ان بازاروں اور صنعتوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے اس علاقے میں بے شمار گودام قائم ہو گئے ہیں جن کی وجہ سے زمین کے استعمال میں تبدیلی کے تنازعے پیدا ہو گئے ہیں۔

(۳) گوداموں میں سامان کی آمد و رفت کے لیے ٹرک اور دوسری بھاری گاڑیاں استعمال ہوتی ہیں جس کی وجہ سے ان تنگ گلیوں میں آمد و رفت ایک سنگین مسئلہ بن گئی ہے۔ تمام متوازی سڑکوں اور کھلی جگہوں پر بسوں کے اڈے بن گئے ہیں۔ فٹ پاتھ بسوں کے ڈرائیوروں اور کلینروں وغیرہ کے قبضے میں آگئے ہیں۔

(۴) جگہ کی کمی کے باعث کاروباری سرگرمیاں اب سڑکوں اور فٹ پاتھوں پر ہوتی ہیں۔

(۵) اس علاقے کے بازار اور کاروبار مندرجہ ذیل ہیں:

دھان منڈی: منڈی کو چلانے والے اب اس علاقے میں کام نہیں کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ایسی جگہوں پر منتقلی کا مطالبہ کرتے رہے ہیں جہاں ان کی ریل اور سڑکوں تک آسانی سے پہنچ ہو اور وہ اپنے گوداموں میں توسیع کر سکیں۔ ان کے گودام اب نچلی منزلوں کے ساتھ ساتھ اوپر کی منزلوں اور KMC کے دفاتر

کے آس پاس پھیل چکے ہیں۔ ان گوداموں مارکیٹوں اور ٹرانسپورٹ کی موجودگی کی وجہ سے علاقے کے لوگ دمہ اور سانس کی دوسری بیماریوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ جگہ کی کمی کی وجہ سے دھان منڈی کے بہت سے تاجر کچی آبادیوں میں گودام قائم کر رہے ہیں جن کی وجہ سے مستقبل میں مسائل پیدا ہوں گے۔

کیمیکل مارکیٹ: کیمیکل مارکیٹ سے پیدا ہونے والی آلودگی کی وجہ سے حال ہی میں چند بچوں کی موت واقع ہوئی۔ مارکیٹ سے متصل ہی اس کے گودام ہیں جو علاقے کے لیے سخت نقصان دہ ہیں اور ان کو ہر حال میں منتقل ہونا چاہیے۔ علاقے کے مکینوں اور کیمیکل مارکیٹ کے تاجروں کے درمیان تنازعہ چل رہا ہے۔ یہ لوگ بھی کچی آبادیوں میں گودام قائم کرنا چاہ رہے ہیں۔

میٹل (metal) مارکیٹ: اس مارکیٹ میں فاؤنڈریاں، ڈھلائی اور دھاتوں کو دوبارہ قابل استعمال بنانے کی صنعتیں قائم ہیں۔ یہ بہت بڑے رقبے پر قائم ہے اور جگہ کی کمی کی وجہ سے لیاری کوریڈور تک پھیل گئی ہے۔

سوکھا کچرا چننے اور دوبارہ قابل استعمال بنانے کا کاروبار: سوکھے کچرے کو دوبارہ قابل استعمال بنانے کی فیکٹریاں، شیر شاہ اور لیاری ندی کے شمالی کنارے پر ہیں۔ ان فیکٹریوں کو خام مال فراہم کرنے کے لیے کچرا چننے کا کام جگہ کی کمی کے باعث لیاری کوریڈور تک پھیل گیا ہے۔ یہ کاروبار کرنے والے کراچی شہر کے لیے بہت اہم ہیں کیوں کہ یہ شہر کے ایک تہائی کچرے کو جمع کر کے دوبارہ قابل استعمال بناتے ہیں۔ کچرا چننے اور دوبارہ قابل استعمال بنانے والوں نے بلدیاتی سہولتوں کی بہتری کے لیے قائم گورنر کی ٹاسک فورس کو بتایا ہے کہ اگر انھیں مناسب زمین، پانی، بجلی، اور ذیلی سڑکوں کی سہولت فراہم کی جائے تو وہ لینڈفل (Landfill) سائٹس پر منتقل ہونے کے لیے تیار ہیں۔

(۶) لیاری کی آبادیوں کے مکین برسوں سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ اُن کے علاقوں سے گودام ہٹائے جائیں مال برداری سے متعلق گاڑیوں کی آمد و رفت روکی جائے تا کہ وہ تازہ ہوا میں سانس لے سکیں اور علاقے میں آلودگی کم ہو سکے۔ اُن کا یہ بھی مطالبہ ہے کہ خالی کرائے جانے کے بعد شہری سہولتوں کی فراہمی کی غرض سے یہ علاقے حکومت کو اپنے انتظام میں لے لینے چاہییں۔

(۷) کھارادر، میٹھادر، بوہرہ پیر، جیل کوارٹرز، وودل کوارٹرز، کراچی کے بیشتر تعمیراتی ثقافتی ورثے کے امین ہیں۔ یہ ثقافتی ورثہ گوداموں اور ان میں کام کرنے والوں کی رہائشی ضروریات پوری کرنے کی غرض سے تباہ کیا جا رہا ہے۔

(۸) گزرتے ہوئے برسوں میں سڑکوں اور فٹ پاتھوں پر سونے والوں کی تعداد میں بے حد اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ لوگ اس علاقے میں قائم بازاروں اور دوسری صنعتوں میں کام کرتے ہیں۔

(۹) بے پناہ ٹریفک کی وجہ سے اس علاقے کی گھٹن کراچی کے بڑے مسئلوں میں سے ایک ہے۔ اس وجہ سے متعدد کاروباری ادارے اس علاقے سے کلفٹن اور شاہراہ فیصل پر منتقل ہو گئے ہیں، جس کی وجہ سے کراچی کا یہ تاریخی مرکز ایک خستہ حال اور ماحولیاتی طور پر آلودہ علاقے میں تبدیل ہو رہا ہے۔

لیاری ایکسپریس وے کی تعمیر سے مندرجہ بالا میں سے کوئی بھی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کے برخلاف، یہ ممکن ہے کہ ایکسپریس وے کی تعمیر کے نام پر حاصل کی گئی زمین کا بیشتر حصہ اُن ہی کاروباری سرگرمیوں کے لیے استعمال ہونے لگے، جن کو یہاں سے بے دخل کیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس علاقے میں ہونے والی سرگرمیوں کے پس پردہ جو لوگ ہیں وہ حکومت یا منصوبہ سازوں سے زیادہ طاقتور ہیں۔ لہٰذا اس امر پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

جمالیات:

ایکسپریس وے سے متعلق ماہرین کے منصوبے کے مطابق یہ ایکسپریس وے ایک ۶ میٹر (۲۰ فٹ) اونچی دیوار پر بنایا جائے گا، جو لیاری کوریڈور کے ساتھ ساتھ تعمیر کی جائے گی۔ بارہ مقامات پر یہ دیوار ۱۵ میٹر (تقریباً ۴۹ فٹ) کی اونچائی تک جائے گی تاکہ یہ موجودہ پلوں کے اوپر سے گزر سکے۔ ان میں سے چار مقامات پر پل ہیں۔ لہٰذا یہ ایکسپریس وے ندی کے کناروں سے بہت بلند، ایک رولر کوسٹر کی مانند ہوگا۔ اس معاملے میں ماہرین تعمیرات اور دلچسپی رکھنے والے دوسرے گروپوں کی آرا کو مدِنظر رکھنا چاہیے۔ صرف اسی وجہ کو مدِنظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ لیاری ایکسپریس وے لاہور کنال بنک جیسا منصوبہ ثابت نہیں ہوگا۔

ترجیحات:

اگر حکومت لیاری ندی کے کنارے رہنے والوں کو سیلابوں سے ہونے والی تباہ کاری سے بچانا چاہتی ہے تو اس کے اور بھی بہت سے طریقے ہیں، جن پر گفتگو کی جانی چاہیے۔ اور اگر حکومت مثلاً اس علاقے میں ٹریفک کا دباؤ کم کرنا چاہتی ہے تو ایسے کئی منصوبے ہیں جو لیاری ایکسپریس وے کے مقابلے میں کہیں زیادہ فائدہ مند ثابت ہوں گے۔ مثلاً گرومندر پر سے ٹریفک کا دباؤ کم کرنے کے لیے تین ہٹی سے جیل چورنگی تک ایک سڑک کی تعمیر، کورنگی روڈ اور پریڈی اسٹریٹ کی توسیع، اندرون شہر اور بیرون شہر ٹرانسپورٹ کے لیے ٹرمینلوں کی تعمیر، ورکشاپ اور ڈپوؤں (جس کا بہت سارا بنیادی کام گورنر کی ٹاسک فورس کے ذریعے مکمل ہو چکا ہے) اور سرکلر ریلوے اسٹیشن کی توسیع۔

اس کے علاوہ، یہ سوال پوچھنے کی ضرورت ہے کہ ناردرن بائی پاس کی تعمیر کے بعد، اس عظیم الشان ایکسپریس وے کی تعمیر کی کیا ضرورت ہے؟

ممکنہ متبادل

مندرجہ بالا گفتگو کو مدِنظر رکھتے ہوئے، موجودہ منصوبے کے لیے مندرجہ ذیل متبادل پیش کیے جاسکتے ہیں:

۱۔ لینڈ فِل سائٹس تعمیر کیے جائیں اور لیاری اور اس کے پار کے علاقوں سے کچرا چننے اور اس کو دوبارہ قابلِ استعمال بنانے کی صنعت کو کارکنوں اور اُن کے خاندانوں سمیت اِن لینڈ فِل سائٹس میں منتقل کر دیا جائے۔ ان مقامات پر پانی، بجلی، زمین اور سڑکوں کی ضرورت ہوگی۔ اس سلسلے میں بلدیاتی سہولتوں کے لیے گورنر ٹاسک فورس کو منصوبے بنا کر دیے جاچکے ہیں۔ اور کچرا چننے والوں اور اس کو دوبارہ قابلِ استعمال بنانے والوں سے بھی مشورے کیے جاچکے ہیں۔

۲۔ ناردرن اور بائی پاس تعمیر کیا جائے اور دھان منڈی، کیمیکل مارکیٹ، دھاتوں کی ڈھلائی کے کارخانے گودام اور ان جگہوں پر کام کرنے والے مزدوروں کی منتقلی کے لیے مذاکرات کیے جائیں۔ بے گھر مزدوروں وغیرہ کی رہائش کے لیے خدا کی بستی کی طرز پر آبادی قائم کی جاسکتی ہے۔

۳۔ ان صنعتوں اور کاروباری سرگرمیوں کی منتقلی سے جو زمین خالی ہو اُس کو لیاری اور پار کے علاقوں کو سہولتوں فراہم کرنے کے لیے استعمال کیا جانا چاہیے۔

۴۔ دریا کو صاف کر کے دونوں کناروں پر پشتے بنائے جائیں۔ اور حاصل شدہ زمین کو پارک میں تبدیل کر دیا جائے۔ اگر سڑک بنانے کو ضروری خیال کیا جائے تو پشتے کی سڑک کے طور پر تعمیر کی جائے۔ کراچی خصوصی طور پر لیاری میں کھلے علاقوں اور تفریح کی سہولتوں کی ضرورت ہے۔

۵۔ کراچی کے تاریخی علاقوں کے تحفظ کے لیے منصوبہ بنایا جانا چاہیے۔ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ماحولیاتی آلودگی اور ٹریفک کے دباؤ میں کمی ہو۔

اگر ناردرن بائی پاس کے ساتھ کاروباری سرگرمیوں اور مارکیٹوں کے لیے ترقیاتی ڈھانچے کا قیام مشکل ہے تو سدرن بائی پاس کے منصوبے پر دوبارہ غور کرنا چاہیے اور تمام آبادیوں اور کاروبار وغیرہ کو اُس علاقے میں منتقل کر دیا جائے۔ تاہم، اگر باضابطہ منصوبہ بندی کے بغیر ناردرن بائی پاس کی تعمیر کی گئی تو اس کے ساتھ ساتھ نئی آبادیوں کا قیام شروع ہو جائے گا۔ علامات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا ہونا شروع ہو چکا ہے۔

انہدامی کاروائیوں میں تعطل کی ۷ مارچ ۲۰۰۲ء تک توسیع

کراچی: سندھ ہائی کورٹ کے ایک ڈویژن بینچ نے، لیاری ایکسپریس وے کی تعمیر کے سلسلے میں ہونے والی انہدامی کاروائیوں میں کراچی شہری حکومت کی طرف سے تعطل کے سلسلے میں مقدمے کی سماعت ۷ مارچ ۲۰۰۲ء تک ملتوی کر دی ہے۔

جسٹس صبیح الدین احمد اور جسٹس ایس اسلم جعفری پر مشتمل بینچ نے مزید وقت کی ضرورت کے پیش نظر چار درخواستوں کی سماعت ۷ مارچ ۲۰۰۲ء تک ملتوی کر دی۔ پی آئی بی کالونی کو آپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی، میانوالی کالونی اور کوثر نیازی کالونی کے رہنے والے سلطان اور چار دوسرے افراد نے انسداد تجاوزات کی مہم کے خلاف سندھ ہائی کورٹ میں اس بنیاد پر درخواست پیش کی کہ ان کے پٹے پر لیے ہوئے رہائشی اور تجارتی یونٹ مجوزہ ایکسپریس وے کے راستے میں آتے ہیں۔

درخواست گزاروں نے کہا کہ شہری انتظامیہ نے سہراب گوٹھ اور ماری پور پل کے درمیان لیاری ایکسپریس وے کی تعمیر کے لیے لیاری ندی کے کنارے آبادیوں کی جبر بے دخلی کی مہم شروع کی، اور بغیر معقول معاوضے کی ادائیگی اور پیشگی نوٹس کے ان کے مکانات اور تجارتی عمارتیں منہدم کرنی شروع کر دیں۔

کچھ درخواست گزاروں نے شہری انتظامیہ کی طرف سے مختلف کالونیوں کے مکینوں کو جاری کیے گئے انہدامی نوٹس سے اختلاف کیا۔ درخواست گزاروں نے کہا کہ اُن کے مکانات قانونی طور پر لیز کے تحت حاصل کیے گئے ہیں اور قانون کے تحت ان کی مرضی کے بغیر اُن کے مکانات منہدم نہیں کیے جا سکتے۔

انھوں نے عدالت سے عرض کی کہ اُن کی بیش قیمت جائیداد کی انہدامی کے مجوزہ عمل کو غیر قانونی قرار دیا جائے۔ اب عدالت ۷ مارچ ۲۰۰۲ کو اس مقدمے کی سماعت کرے گی۔

ایکسپریس وے ایک تجارتی منصوبہ ہے، وکیل کا بیان:

۲۲ مارچ کو حتمی سماعت

کراچی، ۲۰ مارچ: ۵ء۱۶ کلو میٹر لمبے لیاری ایکسپریس کے راستے میں آنے والے مکانات اور دکانوں کے انہدام کے خلاف متعدد لوگوں نے ۲۰ مارچ ۲۰۰۲ کو سندھ ہائی کورٹ کے ڈویژن بنچ کو درخواستیں دیں جن میں موزوں معاوضے کا مطالبہ بھی کیا گیا تھا۔ یہ بنچ جسٹس صبیح الدین احمد اور جسٹس اسلم جعفری پر مشتمل تھی۔ اس بات پر بحث کی گئی کہ جس زمین پر حکومت انسداد تجاوزات کرنا چاہتی ہے وہ درخواست گزاران کی ملکیت ہے۔

کچھ درخواست گزاران کے وکیل شوکت شیخ نے دلیل پیش کی کہ یہ ایک تجارتی منصوبہ ہے اور لوگوں کی بہبود کے لیے نہیں ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے ناظم شہری پریس کانفرنس کا حوالہ دیا، جس میں ناظم نے کہا تھا کہ ایکسپریس وے استعمال کرنے والی ہر گاڑی سے ایک فیس وصول کی جائے گی۔ انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ درخواست گزاروں کو اُن کی زمین سے بغیر مناسب معاوضے کے بے دخل نہیں کیا جا سکتا۔

درخواست گزاروں کے ایک اور گروہ کے وکیل فضل غنی نے بحث کی کہ اگر ان کے موکلین ناجائز قابضین ہیں تب بھی اُن کے ساتھ قانونی مکینوں سے مختلف سلوک نہیں کیا جا سکتا۔ شہری انتظامیہ کے وکیل کے لیے مسئلہ یہ تھا کہ وہ KMC کے پیشرو ادارے کی طرف سے جاری کیے پٹے کے حقوق کو کس طرح نظر انداز کر کے حکومت کے موقف کو صحیح ثابت کرے۔ اس موقع پر ایڈووکیٹ جنرل سندھ رضیہ قریشی نے مقدمے کی سماعت ملتوی کرنے کی درخواست کی تا کہ صوبائی حکومت اور شہری انتظامیہ کے نمائندوں کی شرکت کو یقینی بنایا جا سکے۔

ایڈووکیٹ جنرل نے کہا کہ شہری انتظامیہ کا موقف وہی ہے جو صوبائی حکومت کا ہے۔ انھوں نے مزید دلیل پیش کی کہ لینڈ ایکویزیشن ایکٹ کی شقوں کا اطلاق ان درخواستوں پر نہیں ہوتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ زمین حاصل نہیں کی جا رہی ہے بلکہ کچی آبادی ایکٹ کے تحت حکومت کی تحویل میں جا رہی ہے۔ انھوں نے سندھ پبلک پراپرٹی (انسداد تجاوزات) ایکٹ کا حوالہ دیا جس کے تحت حکومت کو تجاوزات مع تعمیرات کے تین دن کے اندر ہٹانے کا اختیار ہے۔ اگر متعلقہ افراد غیر مطمئن ہوں تو وہ سات دن کے اندر حکومت کو نظر ثانی کی درخواست پیش کر سکتے ہیں۔ جسٹس صبیح الدین احمد نے کہا کہ انہدامی کارروائی اُس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک نظر ثانی کی درخواست کا فیصلہ نہیں ہو جاتا۔ انھوں نے یہ بھی معلوم کیا کہ پٹے کے حقوق رکھنے والوں کا کیا ہو گا۔ انھوں نے سندھ کچی آبادی ایکٹ ۱۹۸۷ء سیکشن ۲۰ (۲) (۳) کا حوالہ دیا جس میں تجاوزات کے خاتمے کی اجازت دی گئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ منصوبہ قومی اہمیت کا حامل ہے اور قابضین کو معاوضہ دینا قانوناً ضروری نہیں ہے۔ مقدمہ، حتمی سماعت کے لیے ۲۲ مارچ تک ملتوی کر دیا گیا۔ (روزنامہ ڈان ۲۱/۰۳/۰۲)

سندھ ہائی کورٹ نے حکم امتناعی میں ۱۶ اپریل ۲۰۰۲ تک توسیع کر دی

کراچی: شہری حکومت لیاری ایکسپریس وے کے منصوبے کا جائزہ لے رہی ہے اور اس میں کچھ تبدیلیاں متوقع ہیں۔ اس کا اظہار شہر کراچی کی ضلعی حکومت کے وکیل منظور کیانی نے، لیاری ندی کے کنارے انسداد تجاوزات کی مہم کے خلاف درخواستوں کی سماعت کے دوران، سندھ ہائی کورٹ کی ایک بنچ کے سامنے کیا۔

جسٹس صبیح الدین احمد اور جسٹس علی اسلم جعفری پر مشتمل بنچ نے ایڈووکیٹ جنرل سندھ رضیہ قریشی سے، پٹے کے حقوق رکھنے والے اور بغیر پٹے کے

حقوق والی تعمیرات کے مکینوں کو معاوضہ دینے کی شرائط کے بارے میں دریافت کیا۔ انھوں نے پٹے اور بغیر پٹے کے حقوق والے مکانات اور دکانوں کی تعداد بھی معلوم کی۔ ایڈووکیٹ جنرل نے معلومات حاصل کرنے کی غرض سے کچھ وقت مانگا اور مقدمے کی سماعت ۱۶ اپریل تک ملتوی ہو گئی۔ تاہم، بنچ نے کچھ درخواست گزاروں کے حق میں جاری عارضی حکم امتناعی میں توسیع کر دی۔

۵۰۰ سے زائد لوگوں نے سہراب گوٹھ اور ماری پور پل کے درمیان دہرے راستے کی تعمیر کے سلسلے میں شہری حکومت کی انسداد تجاوزات کی مہم کے خلاف درخواست دائر کیں۔ انھوں نے اپنے وکیل کے ذریعے عدالت کی توجہ اس امر کی طرف دلائی کہ اُن کے مکانات اور بیش قیمت تجارتی جائیدادوں کو بغیر معاوضے کے منہدم کیا جا رہا ہے۔ اُن کی درخواست ہے کہ اس انہدامی کارروائی کو غیر قانونی قرار دیا جائے اور اُن کی جائیدادوں کے انہدام کا مناسب مداوا کیا جائے۔ درخواست گزاران کی پیروی، شوکت شیخ، غلام عباس سومرو، فضل غنی اور چند دوسرے وکلا کر رہے ہیں۔ (روزنامہ دی نیوز ۔ ۱۳ اپریل ۲۰۰۲ء)